جلد 3 شمارہ 4 جون 2001ء ربیع الاول 1422ھ

(الرعد)

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

اللہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 3 شمارہ 4 جون 2001ء ربیع الاول 1422ھ

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

قیمت ———— -/15 روپے   سالانہ فنڈ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
عبدالقیوم ہاشمی
تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

قرآن کریم کی تلاوت اور غور و خوض سے اللہ تعالیٰ کی انسانوں کے متعلق مرضی کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ کی مرضی و منشاء پہ چلنے سے پوری انسانیت کا خود اپنا ہی فائدہ ہے۔ لہٰذا آئین الٰہی پہ چلنے سے ہر انسان نہ صرف آخرت کی دائمی زندگی میں بلکہ دنیا میں بھی خوش و خرم اور سلامتی والی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ مسلمان کیونکہ پہلے سے ہی آئین الٰہی پہ عمل کرنے کے لئے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کر چکا ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے دنیاو آخرت کی تمام نعمتوں اور اللہ رب العزت کے قرب و دیدار کو حاصل کرنا بہت ہی سہل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا مقاصد اور انعامات کے حصول کے لئے قرآن کریم ہمیں ایک خاص صفت اور عادت اپنانے کا نہایت قیمتی مشورہ عنایت فرماتا ہے یعنی "تقویٰ"۔

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا مصدر وقایہ اور وقاء سے ہے جس کے لفظی معنی ہیں۔

1۔ کسی شے کے ضرر پہنچنے سے خود کو بچانا۔ 2۔ کسی آفت یا مصیبت سے ڈرنا۔

3۔ اللہ رب العزت کے حضور گڑگڑانا اور ڈرتے رہنا۔ اسلامی اصطلاح میں تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام امور سے خود کو بچانا جو اللہ کے قرب و رضا اور محبت و دیدار کے حصول میں حائل ہوں اور ان تمام امور و عبادات کو بجالانا جو اللہ کے قرب و دیدار کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات و عبادات کا ماحصل یہ ہے کہ تقویٰ نصیب ہو اور تقویٰ کا مقصد اللہ کی محبت' قرب' رضا اور دیدار ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت کعبؓ نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو ایسے راستے پہ چلنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔ حضرت کعبؓ نے پوچھا تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ دامن بچا کر چلتا ہوں۔ کعبؓ نے فرمایا بس یہی تقویٰ ہے کہ انسان شاہراہ زندگی پہ چلتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھے اور گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں کی جھاڑیوں میں الجھنے سے اپنا دامن بچائے۔

تقویٰ کا اصل مقام اور مرکز انسان کا دل ہے۔ حضور ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا التقوی ھھنا یعنی تقویٰ یہاں ہے۔ یہی تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین صفت

اور کیفیت کا نام ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

"خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو
ہے اور جب اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ جان لو! وہ دل ہے"

تقویٰ کی فضیلت و اہمیت اور فوائد و ثمرات درج ذیل قرآنی ارشادات سے بالکل واضح و روشن ہو جاتے ہیں۔

1۔ اہل تقویٰ ہی مقرب بارگاہ ہیں

ان اکرمکم عند الله اتقکم (الحجرات۔ 13)

"تم میں سب سے مقرب الٰہی وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"

2۔ عبادت اور تخلیق انسانی کا مقصد متقی بننا ہے

یایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ۔ 30)

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ"

3۔ حج، روزہ اور قربانی کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے

ومن یعظم شعائر الله فانها من التقوی القلوب (الحج۔ 32)

"جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ تحقیق یہ (کام) دلوں کا تقویٰ ہے"

یایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

"اے ایمان والو! روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کئے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ"

لن ینال الله لحومها ولا دماءها ولکن یناله التقوی منکم

اللہ تعالیٰ کو ان کا گوشت اور ان کے خون ہرگز نہیں پہنچتے بلکہ اسے تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

4۔ اہل تقویٰ ہی محبوب الٰہی اور اولیاء اللہ ہیں

ان الله یحب المتقین (توبہ) بے شک اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے

واللہ ولی المتقین (جاثیہ۔19) اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے۔

5۔ تقویٰ ہی معیت الٰہی کا ذریعہ ہے۔

واعلموا ان اللہ مع المتقین (توبہ 36)

"جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے"

6۔ قبول اعمال اہل تقویٰ کے لئے

انما یتقبل اللہ من المتقین (المائدہ)

"اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے"

7۔ بہترین انجام

والعاقبہ للمتقین (اعراف 128) اور اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے

8۔ ہدایت کی گارنٹی ھدی للمتقین (بقرہ) متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

9۔ بہترین زاد سفر اور لباس

فان خیر الزاد التقوی (بقرہ۔19) سب سے اچھا زاد راہ تقویٰ ہے

ولباس التقوی ذلک خیر (اعراف۔26) اور تقویٰ کا لباس سب سے اچھا ہے

10 متقی دنیا و آخرت کے ہر خوف و غم سے آزاد ہے

فمن اتقی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون "پس جو لوگ پرہیزگار اور نیک بنے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم" (اعراف۔35)

11۔ دنیا میں روحانی بصیرت اور رزق کی فراوانی کا حصول

یایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (انفال 36)

اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرلو تو وہ تمہیں ایک امتیاز بخش دے گا" ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب (الطلاق۔2) "اور جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ اس کے لئے رنج و محن سے خلاصی کی صورت پیدا کردے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہو"

12- امور میں آسانی اور برکات کا نزول

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کا کام آسان کر دیتا ہے" (الطلاق۔4)

"اور اگر بستی والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکات کے دروازے کھول دیتے" (اعراف 94)

13- گناہوں کا مٹنا اور دشمن کے ضرر سے حفاظت

ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاتہ (طلاق۔5)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے"

"اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کئے رکھو تو ان کی خفیہ تدبیریں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی" (آل عمران)

14- تقویٰ کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

حدیث قدسی ہے "میں اس بات کا سزاوار ہوں کہ مجھ سے تقویٰ رکھا جائے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اس کے لئے میرے پاس مغفرت ہے" (اربعین)

آپ ﷺ نے فرمایا "تقویٰ آبرو ہے اور خدا کی خوشنودی اور بلندی درجات کا موجب ہے"

حضرت ابوذر غفاریؓ کے استفسار پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی ابتدا ہے"

آپؐ نے فرمایا "میں تمہیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو بہترین تلقین کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے اور تقویٰ کا حکم دے" (طبریٰ)

ان تمام قرآنی اور نبوی ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کی فلاح تقویٰ اختیار کرنے میں مضمر ہے۔ تقویٰ اختیار کئے بغیر کوئی بھی انسان اپنی منزل و مقصود (یعنی رب تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

(پروفیسر قاضی علیم فضلی)

غیبت کے معاشرتی نقصانات

ولا یغتب بعضکم بعضا "ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا" فکرھتموہ

(سورہ حجرات . آیت ۱۲)

ترجمہ۔ "تم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کی غیبت بیان نہ کریں۔ کیا تم پسند کرو گے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ بلکہ کراہت محسوس ہوگی۔"

تفسیر و تشریح!

سورہ الحجرات میں معاشرتی برائیوں کا الگ الگ ذکر گزشتہ اوراق اور تقاریر میں ہمارا موضوع رہا ہے۔ ان میں سب سے بڑی برائی غیبت بھی ہے جو معاشرتی روابط . انسانی سلسلے' خاندانی تعلقات اور گھریلو اتفاق کو خراب کرتی ہے اور نفرتوں . دشمنیوں یا مخالفتوں کا موجب بن جاتی ہے۔ اس کی کراہت کا یہ عالم ہے کہ خداوند کریم نے ان آیات میں اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے جسے کوئی بھی سنگدل. آدمی اور شقی القلب شخص کھانا گوارہ نہیں کرتا تو پھر کوئی کیسے برداشت کرے گا کہ وہ دوسرے بھائی کی غیبت کرتا رہے۔

غیبت کی تعریف

حضور ﷺ نے اس کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ کسی کی برائی اس طرح بیان کی جائے کہ اسے وہ ناگوار گزرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر اس شخص میں وہ برائی پائی جاتی ہو تو بھی اس کا اظہار غیبت کہلائے گا۔ فرمایا اگر برائی پائی جاتی ہو اور وہ بیان کی جائے تو غیبت ہوگی اور اگر وہ برائی اس میں نہ پائی جاتی ہو تو بیان کرنا بہتان کہلائے گا۔

گویا پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کی جائے اور اس میں وہ برائی موجود ہو تو غیبت کی تعریف میں آئے گی اور اگر بیان کردہ برائی اس میں نہ پائی جاتی ہو اور بیان کردی جائے تو بہتان کے زمرے میں آئے گی۔ برائی بیان کرنے کی صورتیں خواہ صراحت کے ساتھ ہوں۔ زندہ آدمی کے متعلق ہوں یا

مردہ آدمی کے متعلق ہوں ہر اعتبار سے حرام ہیں۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ماعز بن مالک کو زنا کے سلسلے میں سنگسار کرنے کی سزا ہوئی۔ واپس کے دوران حضور ﷺ نے دو آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا۔ کسی کو پتہ بھی نہ تھا مگر اس کے نفس نے پیچھا نہ چھوڑا اور کتے کی موت مرا۔ جب تھوڑا آگے چلے تو راستے میں ایک مرا ہوا گدھا دیکھ کر جس سے بدبو آرہی تھی حضور ﷺ ٹھہر گئے اور ان دو آدمیوں سے فرمایا۔ اونٹوں سے اتر آؤ اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ۔ کیونکہ آپ نے اپنے بھائی کی سزا اور موت کے متعلق جو بات کی ہے وہ اس مردہ گدھے کا گوشت کھانے سے زیادہ بری ہے۔

غیبت کی جائز صورتیں

۱۔ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ شریعت کی نظروں میں غیبت کے بغیر چارہ نہیں ہوتا تو ایسی صورتوں میں غیبت برائی نہیں ہوتی۔ مثلاً" ایک موقعہ پر ایک بدو حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوا۔ نماز ختم کرنے کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا "خدایا مجھ پر رحم کر اور محمد پر۔ ہم دونوں کے سوا کسی اور کو اس رحمت میں شریک نہ کر" حضور ﷺ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

اتقولون هو اضل ام بعير

تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص گمراہ ہے یا اس کا اونٹ" نمازیوں نے کہا۔ ہم نے سنا نہیں کہ کیا کہہ گیا ہے حضور ﷺ اس موقعہ پر اس کی پیٹھ پیچھے اس کی بری بات کا نوٹس نہ لیتے تو صحابہؓ کی اصلاح نہ ہوتی اور ایسا کہنا دین میں شامل ہو جاتا۔

۲۔ حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے حضور ﷺ سے مشورہ لیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوالجہمؓ دونوں میرے ساتھ نکاح کے خواہشمند ہیں میں ان میں سے کس کا انتخاب کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ معاویہؓ مفلس ہیں اور ابوالجہمؓ بیویوں کو زیادہ مارتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شادی کے انتخاب سے پہلے مشورہ لینا، تحقیق کرنا، اچھائی اور برائی کو دیکھنا تجسس کے ذیل میں نہیں آتا اور اس مشورے کے معاملے میں کسی کی برائی بتانا یا ذکر کرنا غیبت کی جائز صورت ہے کیونکہ برائی کا اخفا اور اظہار نہ کرنے کی صورت میں دھوکے میں رکھنا ہو گا اور غلط فیصلہ کر جانے کا امکان ہو گا جو آئندہ زندگی میں برے نتائج کا سبب ہو گا۔

۳۔ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تھے کہ ایک شخص نے ملاقات کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔"یہ شخص اپنے قبیلے کا بدترین آدمی ہے۔" پھر اس سے ملاقات کے دوران خوش خلقی سے گفتگو فرمائی۔ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا۔ آپ ﷺ نے اسے بدترین شخص بھی کہا اور پھر اتنے اخلاق سے بھی پیش آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بدترین مقام اس شخص کا ہوگا جس کی بداخلاقی و بدزبانی کے خوف سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔اس طرز عمل کی حکمت یہ تھی کہ اس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے پر گھر والے اس پر اعتبار نہ کر بیٹھیں اسی لئے اس کی برائی کا اظہار فرمادیا۔

ان مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں علماء نے غیبت کی یہی صورتیں جائز مقرر کی ہیں (۱) ایک یہ کہ ظالم کے ظلم کی شکایت ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم سے نجات دلا سکتا ہو۔ یہ شکایت غیبت نہ ہوگی۔ (۲) کسی شخص یا گروہ کی برائی کا ذکر اس لئے کرنا کہ لوگ برائیوں کو دور کر سکیں اور اصلاح ہو سکے۔ (۳) شرعی حکم حاصل کرنے کے لیئے واقعہ کی صحیح صورت حال بیان کر کے فتویٰ حاصل کرنا۔(۴) کسی شخص کی برائی بیان کرنا اس خیال سے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں مثلاً کسی مصنف کی شرانگیز کتاب، مضمون یا تحریک یا برائی بیان کرنا تاکہ اس کے فتنے سے بچ سکیں اور عدالت کو گواہ کی برائی سے آگاہ کر کے درست فیصلے تک پہنچایا جاسکے۔ (۵) مکان کی خریداری سے پہلے پڑوسی کے حالات کا کھوج اور اس کے متعلق اچھائی برائی کا تذکرہ پڑوسی کے برے رویے سے محفوظ رہنے میں مدد دیتا ہے۔ (٦) اسی طرح فسق و فجور پھیلانے والوں کے خلاف برائی کا اظہار ضروری ہے تاکہ اس کے فتنوں سے آگاہ ہو سکیں۔

غیبت کی ناجائز صورتیں

ان صورتوں کے علاوہ محض زبان کے چٹخارے اور محفل کے گرمانے کے لئے کسی کی برائیوں کا ذکر قطعی حرام ہے اسی طرح ایک کی بات دوسرے سے اور دوسرے کی تیسرے سے بیان کرنا نہ صرف غیبت بلکہ چغلی اور لگائی بجھائی کہلاتا ہے . یہ حرام بھی ہے۔ حضرت جابرؓ حضرت معاذؓ اور حضرت انسؓ تینوں صحابہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ وہ کسی پر جھوٹی تہمت سنیں تو سنانے والے کو خاموش کردیں بلکہ تردید کریں۔ اگر کوئی مسلمان ایسے موقعہ

پر جہاں دوسرے مسلمان کی تذلیل ہو رہی ہو. اس کی عزت پر حملہ ہو تا ہو تو جو اس بھائی کی حمایت نہ کرے گا. اس کا دفاع نہ کرے گا تو خدا بھی اس کی مدد نہ کرے گا جہاں اسے خدا کی امداد کی ضرورت ہو گی۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس سے کسی کی غیبت ہو جائے تو احساس ہوتے ہی وہ توبہ کرے اور آئندہ اس حرام فعل سے رک جائے اور حتی الوسع اس کی تلافی کرے۔ اگر وہ مردہ ہے تو کثرت سے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ زندہ ہے تو اس سے معافی مانگے اور جہاں جہاں اس نے کسی کی برائی بیان کی ہو خود چل کر اس کی تردید کرے۔ غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ آیت کا انداز سوالیہ ہے۔ "کیا تم پسند کرو گے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ؟ ہر آدمی اپنے آپ سے یہ سوال پوچھ سکتا ہے۔ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ ذرا تصور کریں کہ بھائی کو بھائی کی موت کا کتنا دکھ ہوتا ہے۔ لوگ اس کے دکھ میں ہمدردی کا اظہار کریں کہ اس کا سہارا ٹوٹ گیا. کمر دوہری ہو گئی۔ بھائی کے لئے بھائی کا وہ ہاتھ ٹوٹ گیا جو حمایت میں اٹھتا تھا۔ فخر اور حوصلے کا ذریعہ جاتا رہا۔ مگر وہی شخص بیچ چوراہے کے یا تعزیت کے لئے آنے والوں کے ہجوم میں بھائی کی میت پر بیٹھ کر رونے کی بجائے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھانے میں مصروف ہو. اس کی ہڈیاں چبا رہا ہو. زبان کی لذت لے اور پیٹ بھرنے میں مصروف ہو خود ہی سوچیں کہ ایسا شخص مردہ بھائی کا بھائی تو کیا انسان کہلانے کا مستحق بھی نہ ہو گا۔ اسے گدھ. گیدڑ. کتا اور بھیڑیا ہی کہا جائے گا۔ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت ہے۔ اس سے اس شخص کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی صرف کہنے والے کی اپنی بزدلی. گھٹیا مذاق اور پست ذہنیت اور وحشیانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح مردے کا گوشت کھانے سے مردے کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ کھانے والے کی درندگی. بہیمیت اور بھیڑیے پن کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ نے حضور ﷺ کی زبانی

کان حقا" علینا نصر المومنین

خدا تعالیٰ مومنوں کی امداد کو اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں۔ اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی حمایت اور مدافعت کرے. اس کی برائی ہونے سے روکے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ یہی روایت حضرت اسماءؓ نے حضور

ﷺ سے روایت کی ہے کہ

"المومن مرة المومن والمومن اخوال مومن يكف عنه ضعت" ويحفظه من ورائه

مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ اس کے ضرر کو اس سے رفع کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مومن کو مومن کا آئینہ کہنے میں کتنی حکمت ہے۔ آئینہ انسان کے چہرے کی خوبصورتی یا بدنمائی کو اس کے منہ پر دکھاتا ہے اور صرف اسی کو دکھاتا ہے جو آئینے کے سامنے ہوتا ہے اس کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں دکھاتا۔ سچ بتاتا ہے جیسا ہوتا ہے اسی کا عکس دکھاتا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا تاکہ وہ اپنے چہرے کی بدنمائی کو دور کرسکے۔ پیٹھ پیچھے آئینہ کچھ نہیں کہتا۔ مومن مومن کا بھائی ہے یعنی ایک بھائی ہی بھائی کو سچی خیر خواہی کے تحت اس کے عیب بیان کرتا ہے اور پس پشت اس کی برائی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اس کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ روزہ رکھنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ حضور ﷺ سے اجازت لئے بغیر روزہ افطار نہ کیا جائے۔ افطاری کے وقت ایک شخص نے دو عورتوں کے لئے افطاری کی اجازت چاہی۔ حضور ﷺ نے اپنہ منہ ناگواری کے اظہار کے لئے دوسری طرف پھیرلیا۔ یہ عمل تین دفعہ اجازت طلب کرنے پر کیا۔ وہ اجازت طلب کرتا اور حضور ﷺ منہ پھیرلیتے چوتھی مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سارا دن مردہ لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں تو روزہ کیسے ہوا کہ افطاری کی اجازت طلب کرتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قے کریں۔ انہوں نے قے کی تو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے نکلے۔ حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی تو فرمایا .اگر یہ خون ان کے بدن میں رہ جاتا تو انہیں آگ کھاجاتی۔

امثال و واقعات

ا۔ غیبت کمزوری کی علامت اور جلاپے کا اظہار ہے۔ روزہ حضور ﷺ نے صحابہؓ کو تعلیم و تربیت کے لئے رکھوایا اور انہیں غیبت کے عملی نتائج بتانے کے لئے یہ حکم دیا تھا اور عملاً" بتا دیا کہ غیبت سے روزہ کی صحت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے مسلمانوں کو غیبت کے برے فعل سے بچنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کسی سوکھی ہوئی لکڑی کو آگ اتنی تیزی سے نہیں جلاتی جس طرح

غیبت انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جو آدمی دو زبانوں والا ہو یعنی منہ پر ایک بات کہے اور پیٹھ پیچھے دوسری بات کرے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہونگی۔ ایسے آدمی کے شر سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ ایسے شخص سے تعلق توڑ دیا جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے غیبت سے بچو کہ یہ فحاشی سے بھی بدتر گناہ ہے۔ پھر فرمایا غیبت کرنے والوں کو خدا غیروں میں ذلیل کرتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے کہ آس پاس دو قبروں سے گزر ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ وہاں سے گزرتے ہوئے بے چین ہو گئے اور وہیں رک گئے۔ ہم نے دیکھا خاتم النبیین ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ کی آستین ہل رہی تھی گویا آپ کانپ رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے اور مضطرب ہو کر پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ خیریت تو ہے آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ قبروں والے بڑے بدنصیب تھے۔ انھوں نے دو گناہ ایسے کئے جو بظاہر چھوٹے تھے مگر یہ انہی کی سزا بھگت رہے ہیں اور ان پر سخت عذاب ہو رہا ہے۔ ہم نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ وہ کون سے گناہ ہیں جن سے خداوند اس قدر ناراض ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو پیشاب کر کے طہارت کا خیال نہ رکھتا تھا۔ دوسرا وہ ہے جو چغلیاں کھاتا اور غیبت کرتا رہتا تھا۔

حضور ﷺ اپنے ارشادات میں اس بات پر زور دیتے تھے کہ بھائی کی برائی پر پردہ ڈالو خدا تمہارے عیبوں پر قیامت کے دن پردہ ڈالے گا۔ معراج کے دوران حضور ﷺ کو مختلف اخلاقی برائیوں میں مبتلا لوگوں کو عذاب کی صورت میں تمثیلی انداز میں دکھایا گیا۔ ان میں سے بعض کو دیکھا۔ لمبے لمبے ناخنوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے ہیں اور یہ ناخن دھات کے بنے ہوئے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو بتایا کہ یہ لوگ غیبت کرنے والے تھے جو ہمیشہ دوسروں کی عزت کے درپے رہتے تھے۔

۳۔ بہلول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے آبادی ترک کر کے قبرستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بہلول کے متعلق مختلف باتیں مشہور ہیں کسی نے اسے حضرت لقمان علیہ السلام

کی طرح عقلمند بتایا ہے. کسی نے اسے سڑی اور سودائی کہا ہے بعض نے کہا کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے اور مجذوب آدمی تھے۔ عربی زبان میں بہلول ہنس مکھ یا ہنسوڑ کو کہتے ہیں۔ کتابوں میں اس کا کردار پراسرار ہے۔ بظاہر دیوانوں کی طرح رہتے تھے. مگر باتیں فرزانوں کی طرح کرتے تھے۔ بغداد میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں ان کی قبر ہے۔ ابن بطوطہ اور ابن خلدون نے انہیں پھکڑ. درباری مسخرا. نقل اور قہوہ خانوں کا کردار بتایا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ سادہ لوح انسان تھے۔ لوگ انہیں چھیڑتے. مذاق اڑاتے اور ان کی باتیں سنتے۔ یہ بہلول گھربار چھوڑ کر قبرستان میں جابسے تو لوگوں نے کہا۔ آبادی سے کیوں بھاگ گئے؟ بہلول نے کہا۔ میں ایسی جگہ جابسا ہوں کہ اگر ان کے درمیان ہوتا ہوں تو ان میں کوئی مجھے تکلیف نہیں دیتا. اگر ان کے پاس سے کہیں چلا جاتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔ غیبت معمولی اخلاقی برائی نہیں بلکہ یہ دوزخیوں کا کام ہے۔

شیخ سعدی ایک دفعہ سفر کے دوران اپنے والد کے ہمراہ تھے راستہ میں رات کے وقت قافلے نے ایک جگہ پڑاؤ کیا شیخ سعدی رات کو تھوری سی نیند کے بعد اٹھے اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے صبح قافلے والوں کو بے خبر پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ کس قدر غافل اور بے خبر ہیں والد نے پوچھا کیا مطلب ہے؟ سعدی نے فرمایا انہیں توفیق نہ ہوئی کہ اٹھ کر دو رکعت نفل پڑھ لیتے والد نے فرمایا۔ میرے عزیز بیٹے بہتر تھا کہ تم بھی سوئے رہتے. یہ کیا کہ رات کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے تہجد پڑھتے رہے اور اس وقت دوسروں کی برائی میں مصروف ہو گئے یہ تو غیبت ہے اور غیبت حرام ہے۔.

درس حدیث

چغلخوری

عن حذیفہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یدخل الجنۃ قتات

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا فرماتے ہیں کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب الاداب باب حفظ اللسان الفصل الاول)

قتات چغلخور کو کہتے ہیں۔ چغل خور کی عادت ہوتی ہے کہ چھپ چھپ کر لوگوں کی باتیں سنتا ہے اور اگر وہ کسی کی بابت کچھ کہہ رہے ہوں تو وہ اس تک پہنچا دیتا ہے اور اکثر اپنی طرف سے نمک مرچ بھی لگا دیتا ہے تاکہ وہ مشتعل ہو جائے اور دونوں کی آپس میں ٹھن جائے یہ لوگ ایک کی بات دوسرے تک پہنچانے میں کچھ خاص مزہ محسوس کرتے ہیں اور چاہے ان کا اپنا بھی اس میں کچھ فائدہ نہ ہو پھر بھی ادھر ادھر کی خبریں اڑاتے پھرتے ہیں یہ بری عادت اکثر بیکار لوگوں میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی ٹوہ لیتے رہتے ہیں کہ کوئی کیا کر رہا ہے اور جھٹ ایک کی بات دوسرے کے کان میں پھونک دیتے ہیں۔

اس حدیث میں ایسے لوگوں کی برائی کی گئی ہے ارشاد ہے کہ ایسے لوگ جنت میں داخل نہ ہونگے کیونکہ یہ اپنی چغل خوری کی عادت سے لوگوں کے درمیان اختلاف اور دشمنی پیدا کرنے کے سبب ہوتے ہیں اور دنیا کے امن و امان میں خلل ڈالنے کا باعث ہوتے ہیں اس لئے مرنے کے بعد ان کو خود امن و امان نصیب نہ ہو گا۔ جنت تو امن و امان کی جگہ ہے وہاں ایسے لوگوں کا گذر ہے کہاں جو دنیا میں فساد کا بیج بوتے رہتے ہیں اور انہیں اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ آپس میں ایک کو دوسرے سے لڑتا ہوا نہ دیکھ لیں۔ اسلام کو تو چغل خوری کی خصلت سے دور کا بھی

واسطہ نہیں۔ یہ دنیا میں امن و امان کا حامی ہے تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے جنگ و جدل کرنے کے بجائے خود اپنی اندرونی کش مکش دور کرنے کی کوشش میں مشغول ہوں اور اپنی خواہشوں کو اچھی خواہشوں پر غالب نہ آنے دیں۔ کبھی نہ کبھی ہر انسان کے منہ سے ایسی بات نکل جاتی ہے جو دوسرے کو نہ گوار ہو سکتی ہے۔ ایسی باتوں کا دوسروں تک پہنچانا خرابی کا سبب ہو جاتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ بات بری نیت سے نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بری بات والے کی طرف سے لوگ چوکنا رہیں۔ اور اس کی زد میں نہ آئیں۔ اپنے ماحول کے لحاظ سے یہ بات زیادہ نامناسب نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی اسی کو اس دوسرے تک اس کے سلسلہ سخن سے علیحدہ کرکے پہنچادے تو اس کو کسی حد تک ناگوار ہو سکتی ہے اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ کسی کی بات کسی تک نہ پہنچائی جائے۔ صرف وہی باتیں دوسروں تک جائیں جن میں ان کے لئے کوئی نصیحت ہو اور جو ان کے اخلاق کی درستی میں مددگار ہوں۔ ایسی بات کوئی نہ کہی جائے جس سے کسی کے مزاج کے برہم ہونے کا اندیشہ اور آپس میں دشمنی کا احتمال ہو۔

(بشکریہ! درس حدیث از ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور)

خیروانقی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قرآن کریم میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور رضا کے حصول کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اسے گوہر عقل اور جوہر محبت سے مشرف فرما کر دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت عطا فرمائی اور اسے منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے نبوت کا جو سلسلہ قائم فرمایا اس کا اختتام سید الانبیاء احمد مجتبیٰ ﷺ پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع اور اسوہ حسنہ کی پیروی کو اس راہ میں کامیابی کی دائمی ضمانت قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اور انعام یافتہ لوگوں کے اوصاف بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ انسان کو اپنی اہمیت اور دوسری مخلوقات کے مقابلے میں اپنے خصوصی مقام کا شعور حاصل ہو اور وہ حیات فانی کی محبت میں گرفتار ہونے کی بجائے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے دامن سے وابستہ کر کے اس صراط مستقیم پر چلے جو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام تک پہنچادے۔ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ راہرو راہ محبت کے لئے صرف متاع سفر کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جائے۔ (بقول علامہ اقبالؒ)

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار
نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

یہی اسلامی فقر کی حقیقی روح ہے کہ دنیا کے سارے کام کرتے ہوئے اور اس کی ساری نعمتوں سے استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کی کسی چیز سے دل نہ لگایا جائے بلکہ دل ہمیشہ خالق اور محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ سے اٹکا رہے۔ اللہ کے دین میں نہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی اجازت ہے اور نہ

کی اس سے پیار کرنے کی۔ مومن کی آنکھوں کی ٹھنڈک' اس کے سینے کا سرور اور اس کے دل کا زار ذکر پروردگار میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور رسول اللہ ﷺ کی ہستی اسے دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے سے محبوب ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ حب دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ حضرت ذوق نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جس انسان کو سگ دنیا نہ پایا
فرشتہ اس کو ہم پایہ نہ پایا

اس اعلیٰ وارفع مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے انسان کو جس سخت مجاہدہ کی ضرورت ہے اسے قرآن مجید فرقان حمید نے سورت المزمل کی ایک ہی آیت میں سمو دیا ہے۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاO

اور اپنے رب کے نام (اللہ) کا ذکر کر اور سب کو چھوڑ کر اسی کا ہو جا"

اس آیت مبارکہ کے علاوہ بھی قرآن کریم میں بیسیوں جگہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے اس سے بہتر اور کیمیا اثر نسخہ کوئی نہیں ہے۔ اور اسی کی برکت سے مومن اس قابل بنتا ہے کہ اس فانی دنیا کی گھٹیا اور عارضی نعمتوں کے دامن فریب سے رہائی پا کر بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کی فکر میں لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

☆ وما اوتیتم من شی فمتاع الحیوۃ الدنیا وزینتھا وما عند اللہ خیر وابقی افلا تعقلونO (القصص۔60)

"یہاں تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ صرف دنیا کی زندگی میں استعمال اور زینت کے لئے ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والا ہے تو پھر تم سمجھ بوجھ سے کام کیوں نہیں لیتے"

کیوں کہ کوئی بھی عقلمند انسان کسی عارضی ٹھکانے کی تزئین و آرائش پر اپنی دولت صرف

نہیں کرتا۔ جن گھروں میں ہم اس وقت رہ رہے ہیں ان کے بارے میں اگر حکومت یہ اعلان
دے کہ تمام رہائشی مکان حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لئے ہیں اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے کوئی
مکان کسی بھی وقت خالی کرایا جا سکتا ہے تو ان کے ساتھ ہماری دل چسپی کیا باقی رہ سکتی ہے۔ ملا کر
دنیا کی زندگی کا حال بالکل اسی طرح کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل کا نور اور برتر شعور عطا کر
رکھا ہے اس کا یہی تقاضہ ہے کہ جو چیزیں اسے زیادہ نفع پہنچانے والی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہوں
انہیں ترجیح دیتے ہوئے ان کے حصول کے لئے خوب جدوجہد کرے۔ آخرت کی زندگی کے مقابلے
میں اس دنیا کی نعمتوں کی جتنی کچھ حیثیت ہے اسی مناسبت سے ان پر بھی توجہ دے اور اللہ تعالیٰ
اپنے فضل سے جو کچھ بھی عطا فرمائے اسے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی
اور آخرت کی بہتری کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے طالبوں کی راہنمائی کے
لئے قرآن کریم میں خیروابقی کی تفصیل بیان فرمادی ہے تاکہ انہیں اپنی ترجیحات مقرر کرنے میں
کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

☆ واللہ خیروابقی (طہ۔73) اور اللہ کی ذات سب سے اچھی اور باقی رہنے والی ہے

☆ ورزق ربک خیروابقی (طہ۔131) اور تیرے رب کی عطا بہتر اور باقی رہنے والی ہے

☆ والاخرۃ خیروابقی (اعلیٰ 19) اور آخرت کی زندگی بہتر اور باقی رہنے والی ہے

☆ وما عنداللہ خیروابقی (شوریٰ 36) اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے
والا ہے

اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی حقیقی فلاح کا منشور بتا کر اسے حسن طلب کی ترغیب دی ہے
تاکہ وہ ماسواء اللہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو اپنا مقصود حیات بنائے اور متاع دنیا
کی بجائے رزق ربانی اور غذائے روحانی کا طلبگار بنے اور اس فنا ہو جانے والی دنیا کی وقتی آسائشوں
اور عارضی لذتوں کا دیوانہ نہ بنے بلکہ آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے حسن کو دوبالا کرنے کی جستجو
میں جئے۔ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ عارضی، گھٹیا اور بے حیثیت ہے۔ اس کے مقابلے میں

آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ جو نعمتیں اہل ایمان کو عطا فرمائے گا وہ نہ کسی نے سنیں نہ دیکھیں نہ کسی کے وہم و گمان میں آسکتی ہیں۔

یہ فقر قرآنی کا راستہ ہے۔ جس کی تعلیم یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ نے انسان کے لئے پیدا کیا ہے لیکن انسان کو اپنی محبت کے لئے خلق فرمایا ہے۔

اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہر شے کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں ضرور لگائے لیکن ان سے دل ہرگز نہ لگائے۔ خود اللہ تعالیٰ کی محبت کا اسیر بن کر اس کی بندگی کی راہ پر اس طرح چلے کہ اسی کے رنگ میں رنگ جائے۔ یہی وہ زندگی اور فعال فقر ہے جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فخر کرتے ہوئے فرمایا الفقر فخری علامہ اقبالؒ نے بھی اس صحوی یعنی بیدار تصوف کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
ہستی او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات

مومن کا فقر دنیا کی نعمتوں سے گریز اور جدوجہد سے فرار کا نام نہیں ہے بلکہ اس سمتوں میں بٹی ہوئی محدود دنیا کو تسخیر کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شدید محبت کا علمبردار فقر مومن کو اللہ کے رنگ میں رنگ کر مولا صفات بنا دیتا ہے۔ اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی کائنات کی ہر شے محدود مقاصد کے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن مومن کی تخلیق کے مقصد کو حدود و قیود میں بند نہیں کیا جاسکا ہے۔ اس کا مقام اعلیٰ و ارفع اور اس کی مرکزی حیثیت مثل حرم ہے کہ یہ ساری کائنات اس کے گرد محو طواف ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے کہ مسجود ملائکہ کو یہ کم تر رتبہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

حضرت رسالدار محمد حنیف خان

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

میں 1911ء میں جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوا اور سات آٹھ سال کی سخت اور متواتر جدوجہد کے بعد نقشبندیہ سلوک پورا کرلیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں انکسار، تورع اور کشف و کرامات تو حاصل ہو گئیں لیکن جس مقصد کے لئے بیعت ہوا تھا وہ حاصل نہ ہوا یعنی رویت باری تعالیٰ حاصل نہ ہوئی۔ اس کے بعد خاندان چشتیہ میں بیعت کی اور پانچ چھے سال میں یہ سلوک بھی پورا کرلیا۔ اس سلوک سے طبیعت میں لطافت، اخلاق میں شیرینی، حسن اور جمالیات کا ادراک اور عشق و محبت کا سوز و گداز تو میسر آگیا لیکن رویت باری تعالیٰ یہاں بھی عنقا ہی رہی۔ اس کے بعد اور کسی سلسلہ میں تو بیعت نہ ہوا مگر قادریہ اور دوسرے کئی سلسلوں کے سلوک کا مطالعہ بالاستیعاب کیا لیکن رویت کے حصول کا وہاں بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ اب میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کسی لطیفہ غیبی کا منتظر رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ایک بزرگ سے ملاقات کرادی۔ یہ حضرت اویسی تھے نہ خود کسی سے بیعت تھے نہ بیعت فرماتے تھے۔ اس لئے بیعت تو نہ ہو سکا لیکن بیس پچیس سال ان سے فیض کثیر ملتا رہا۔ اب میں فیض تو ان سے لیتا تھا لیکن ذکر و فکر وغیرہ اپنے اسی پرانے سلسلے نقشبندیہ کا کرتا تھا۔ اس مرتبہ سلوک عجیب طرح سے طے ہوا۔ یعنی ناسوت سے ذات بحت تک سارے راستے گرد و پیش کے ماحول کو دیکھتا اور سمجھتا ہوا گزرا۔ یعنی پہلے دوزخ کے طبقات دیکھے۔ پھر علی الترتیب اعراف، ملکوت، جبروت، لاہوت اور ہاہوت کی جنتوں کی سیر کرتا ہوا ھو کے نچلے طبقات میں داخل ہوا۔ یہاں مجھ پر وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ وہی کیفیت ہے جس کو جناب ابن عربی نے حقیقت فرمایا ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے یہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا ورنہ میں بھی وجودی ہو کر رہ جاتا۔ جب میں ھو کی اوپر والی سطح پر پہنچا تو وہاں وہ کیفیت نظر آئی جس کو مجدد صاحب نے ظلیت کہا ہے۔ یہاں سے بھی جلدی ہی نجات مل گئی۔ اس کے بعد میں کچھ دیر عدم میں رہا لیکن برابر آگے بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ عدم پار کر کے عالم امر میں داخل ہو گیا۔ اور آخر کار 26-27 برس کی متواتر کوشش کے بعد 1953ء میں اپنے مقصد حیات

سے ہمکنار ہوا۔ الحمدللہ جو چاہتا تھا مل گیا۔

مذکورہ بالا تحریر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی ہے اور ان کی کتاب "حقیقت وحدت الوجود" سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں جس اویسی بزرگ سے ملاقات کا ذکر آیا ہے وہ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں صاحب تھے۔ ان سے آپ کی جس طرح ملاقات ہوئی اس کا ذکر آپ کی محفل میں اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اپنی یادداشت کے سہارے میں ان کی کہانی انہی کی زبانی سنادوں تو زیادہ مزہ آئے گا آپ نے فرمایا۔

جب میں اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمد سے بیعت ہونے لگا تو انھوں نے دریافت کیا کہ تم کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے تین مقاصد ہیں. اول روحانی طاقت. دوسرے تزکیہ اخلاق اور تیسرے دیدار باری تعالیٰ اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ پہلی دو چیزیں تو تم کو میری طرف سے مل جائیں گی تیسری چیز یعنی دیدار باری تعالیٰ میرے بس کی بات نہیں۔ اس کے بدلے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ معرفت باری تعالیٰ کسی نہ کسی طرح حاصل ہو جائے گی۔ میں نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ آپ اتنا بتادیں کہ یہ دولت میری قسمت میں ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو یہ کس عمر میں حاصل ہو گی۔ اس پر مولانا نے تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد کہا کہ ہاں تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لوگے مروگے نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دولت تمھیں زندگی کے ساٹھویں سال میں نصیب ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ اس وقت حیات ہوں گے تو آپ نے جواب دیا کہ میری تو قبر کا نشان بھی اس وقت نہ ہوگا۔ بلکہ تمہیں جو کچھ مجھ سے ملے گا میرے مرنے کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا اور تم چودہ پندرہ برس تک یونہی پھروگے پھر تمھیں تمہارا ایک دوست ملے گا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اس کے پاس تمہارا حصہ ہے اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لئے لازمی ہوتی ہیں چنانچہ جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا بیعت ہونے کے بعد میں نے خوب محنت کی اور اللہ کے فضل وکرم سے میرے تین لطیفے قلب روح اور سر روشن ہوگئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آگئی۔ اس پر مولانا نے مجھے مبارک باد دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ مولانا کا 1920ء میں انتقال ہو گیا تو اس کے

بعد میں سست پڑ گیا اور آہستہ آہستہ اوراد و وظائف چھوٹ گئے۔ نمازوں میں سرور و حضور باقی نہ رہا تو وہ بھی چھوڑ دیں اور ہم خالی خولی دنیا دار بن گئے۔ بس شعر و شاعری ہوتی اور دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور تاش یا شطرنج کی بازی چلتی۔ یہ اللہ کا کرم رہا کہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اس دوران جب کبھی روحانیت والی زندگی یاد آتی تو اپنی حالت پر بڑا دکھ ہوتا۔ تنہائیوں میں کئی مرتبہ رویا بھی لیکن کیا بنتا تھا۔ ان دنوں انڈین آرمی جنرل ہیڈ کوارٹرز دہلی میں مترجم کی حیثیت سے ملازم تھا۔ مجھے سرکاری کام کے سلسلے میں کچھ عرصہ کے لئے بلگام جانا پڑا۔ وہاں آرمی کا ٹریننگ سکول تھا اور وہاں ہمیں ترجمے کا کچھ کام کرنا تھا۔ ایک دن میں بارش کے بعد سیر کرتے کرتے پہاڑوں کی جانب نکل گیا اور شام ہو گئی۔ اڑتے ہوئے بادلوں اور ہلکی ہلکی دھند میں نظر آنے والی شہر کی روشنیوں نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی اور اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں امڈ آئی۔ میں وہاں بیٹھ کر کافی دیر تک روتا رہا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو گھر لوٹا اور کھانا کھا کر سو گیا۔ رات کو خواب میں میرے دادا جان حضرت عبدالعزیزؒ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ روتے کیوں ہو؟ حوصلہ رکھو اور صبر کرو۔ تمہیں ایک دوست ملے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا روؤں نہیں تو کیا کروں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دولت ملی وہ چھن گئی ہے۔ مولانا کریم الدینؒ نے بھی فرمایا تھا کہ تمہارے ایک دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے۔ لیکن وہ کب ملے گا؟ اس کا کوئی اتا پتا اور نام تو معلوم ہو۔ دادا جی نے فرمایا اس کا نام ہے محمد حنیف خاں اس پر میری آنکھ کھل گئی اور پاس پڑی ہوئی ڈائری پر نام نوٹ کر لیا اور پھر سو گیا۔ صبح اٹھا تو اس نام کے آدمی کی تلاش شروع کر دی۔ ایک تھانیدار محمد حنیف خاں سے دوستی لگائی پھر ایک قصائی سے یارانہ گانٹھا لیکن سب پھکڑ نکلے۔ کام کا کوئی بھی آدمی نہیں ملا۔ وہاں چھاؤنی میں نظام آباد پنجاب کے رہنے والے ایک صاحب کی سپورٹس کے سامان کی دکان تھی اور اس پر فوجیوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ سہ پہر کے وقت میں وہاں بھی چلا جاتا اخبار دیکھتا اور ان سے گپ شپ لگانے کے بعد آ جاتا۔ مجھے شروع ہی سے پنجابی اچھے لگتے ہیں۔ دہلی والوں کے تکلفات کے مقابلے میں ان کی سادگی مجھے زیادہ پسند ہے۔ ایک دن حسب معمول میں وہاں بیٹھا تھا کہ رسالے کے آٹھ دس وائسرائے کمیشن آفیسر (V.C.O) وہاں آ گئے تو دکاندار نے ان کے لئے کرسیاں لگوا دیں اور چائے کا آرڈر دے دیا۔

وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ قریب کی مسجد سے نماز عصر کے لئے اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب اٹھے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں میرے لئے چائے ضرور رکھنا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال گذرا اور میں نے باقی لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ غالباً" ہم سبھی مسلمان ہیں لیکن نماز کے لئے اذان ہوئی تو صرف ایک آدمی کو توفیق ہوئی کہ نماز کے لئے اٹھا۔ حالانکہ میں خود بھی نہیں گیا تھا۔ اس پر ان کے ساتھی جنہیں دوسرے شاہ جی کہہ کر مخاطب ہو رہے تھے بولے کہ اس کی کیا بات ہے یہ آدمی تھوڑا ہی ہے۔ میں نے پوچھا کیوں جناب اس میں کیا خاص بات ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہم یہاں ٹریننگ کے لئے آئے ہوئے ہیں شروع میں رہائش کی تنگی کی وجہ سے میں اور یہ صاحب ایک ہی کمرے میں رہتے تھے ذرا اس کے معمولات ملاحظہ ہوں۔ یہ صبح سب سے پہلے تیار ہو کر مسجد جاتا ہے پھر ہم ٹریننگ کے لئے اپنی یونٹ میں چلے جاتے ہیں۔ جب واپس آتے ہیں تو یہ صاحب دوپہر کا کھانا کھا کر اور ظہر کی نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔ پھر یہ اس وقت اٹھتا ہے جب عصر کا تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا ہے۔ یہ عصر پڑھتا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے چائے پیتا ہے پھر مغرب کی نماز ادا کر کے میس چلا جاتا ہے وہاں کھانے کے بعد دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور ہاؤ ہو میں لگا رہتا ہے اور دیر سے واپس لوٹتا ہے۔ آکر عشاء کی نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور ساری رات مصلے پر گذار دیتا ہے اور بالکل نہیں سوتا۔ تو یہ ہیں جناب ان صاحب کے معمولات بتائیے یہ بھلا آدمیوں والی باتیں ہیں۔ ہاں ایک بات ہے کہ اس کے پاس کئی لوگ دعا وغیرہ کرانے کے لئے آتے رہتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ پھر تو یہ شخص ولی اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کرتا ہے کہ ساری ساری رات سوتا ہی نہیں اور جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں نہیں پتہ کہ ولی کیا ہوتا ہے بہر حال یہ ہے ایسا ہی۔ اس پر میں نے استفسار کیا کہ ان صاحب کا نام کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا نام ہے محمد حنیف خاں۔ یہ نام سنتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں نے 440 واٹ کی کسی بجلی کی تار کو چھو لیا۔ سر سے لے کر پاؤں تک زن سے لرزے کی ایک لہر دوڑ گئی اور دل نے کہا کہ یہی وہ ہستی ہے جسے تو برسوں سے تلاش کر رہا ہے۔ مجھ سے پھر بھلا کیسے رہا جاتا میں اٹھا اور مسجد کی طرف چل دیا۔ میں نے دروازے سے اندر کی طرف

جھانکا تو وہ نماز پڑھ چکے تھے اور سواروں ولی وردی کی برجس پر پٹیاں لپیٹ رہے تھے اس لئے میں باہر ہی سیڑھیوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ بوٹ پہن باہر آ گئے اور جونہی سیڑھیوں سے اترے تو میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے میں نے سوچا کہ جب مجھے کئی سال پہلے بتایا گیا تھا کہ تمہارے دوست کے پاس تمہارا حصہ ہے تو انہیں بھی یقیناً" اس کی خبر ہو گی۔ اس لئے بلا کسی تمہید کے میں نے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید ہو جائیں۔ وہ یہ سن کر دو قدم دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ مرید کرتا ہوں میں جانتا ہی نہیں کہ پیری مریدی کیا ہے۔ پیری مریدی نہیں جانتے تو میرے مرید ہو جائیے میں نقشبندیہ خاندان سے سند یافتہ ہوں اور میں آپ کو سکھا دونگا کہ پیری مریدی کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور کہا کہ آپ کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں آپ کا مرید بنوں۔ ایسی باتیں بازار میں نہیں کرتے تم مجھے میرے گھر پر ملو۔ میں نے کہا بہت خوب آپ اپنے کوارٹر کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ایڈریس دیا اور میں ہاتھ ملا کر چلا آیا۔ اگلے روز ڈیوٹی میں وقفہ کے دوران میں ان کا کوارٹر دیکھ کر آیا تاکہ پھر ڈھونڈنا نہ پڑے۔ دفتر سے چھٹی ہوتے ہی میں ان کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ ان کے گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ وہ میری طرف پشت کئے کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کا اردلی جس کا نام بشارت تھا انکے بوٹ اور پٹیاں کھول رہا تھا۔ میں جوں ہی گیٹ میں داخل ہوا انہوں نے اردلی سے کہا کہ چھوڑ دو اور ہمارے مہمان کے لئے کرسی لے کر آؤ میں نے سلام کیا اور کہا کہ میں مانتا ہوں کہ آپ ولی اللہ ہیں اور آپ کو پیچھے سے بھی نظر آتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا تو آپ نے پوچھا کہ ہاں جناب کل آپ نے مجھے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ یا تو آپ مجھے اپنا مرید کر لیں یا میرے مرید بن جائیں۔ انہوں نے بھی کل والا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نہ تو کسی کا مرید ہوں نہ کسی کو مرید بناؤں گا البتہ دوستی کر لیتا ہوں۔ انکی بات سن کر مجھے مایوسی سی ہوئی کہ میرا مطلوب آدمی تو یہی ہے لیکن یہ مانتا ہی نہیں۔ اس پر مجھے میرے مرشد" اور دادا جان" کی خواب والی باتیں یاد آئیں تو یہ بات کھلی کہ میں غلطی پر ہوں۔ انہوں نے یہی فرمایا تھا کہ تمہارا دوست ملے گا اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دوستی کر لیتا ہوں مرید نہیں بناتا یہ سوچ آنے پر

میں دوبارہ کھل اٹھا اور ہاتھ بڑھا کر کہا کہ چلو پھر دوستی ہی کرلیں انہوں نے کہا کہ میں ایسے ہی ہر للو پنجو سے دوستی نہیں کرتا میں پہلے امتحان لیتا ہوں اگر کوئی اس میں پاس ہو جائے تو پھر دوستی کرتا ہوں ورنہ نہیں۔ آپ میرا امتحان لے لیں۔

انہوں نے فرمایا کہ بڑا مشکل امتحان ہے اس میں تین پرچے ہوں گے اور ہر ایک میں سو فیصد نمبر لینے پڑیں گے بولو کیا تمہیں منظور ہے۔ میں نے عرض کی کہ سب کچھ منظور ہے جب دوستی کرنی ہی ہے تو پھر سو پرچے لے لو اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا امتحان کے لئے تیار ہو میں نے کہا تیار ہوں۔ تو انہوں نے کہا شطرنج کھیلنا آتی ہے میں نے کہا کہ آتی ہے اس پر انہوں نے اپنے اردلی کو آواز دی کہ شطرنج لے کر آؤ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ رسالدار صاحب کی وردی کی ایک پٹی ابھی اتری تھی اور دوسری بدستور بندھی ہوئی تھی۔ اردلی نے شطرنج لا کر بچھادی تو آپ نے کہا کہ یہ پہلا پرچہ ہے اگر تم مجھ سے جیت گئے تو سمجھو کہ پاس ہو گئے تم بھلا میرے ساتھ کیا کھیلو گے میں تو اپنی یونٹ کا چیمپئن ہوں۔ میں نے کہا تم فوجی لوگ آپس میں ہی کھیل کر چیمپئن بن جاتے ہو کسی باہر والے سے واسطہ پڑے تو پتہ چل جائے کہ کتنے پانی میں ہو۔ چنانچہ کھیل شروع ہو گیا اور میں نوٹ کرتا رہا کہ انکے کھیلنے کا انداز کیا ہے۔ پہلی گیم رسالدار صاحب جیت گئے اور کہنے لگے کہ تم تو ہار گئے۔ میں نے کہا تین گیم کھیلنے کا اصول ہے اگر تم ایک بازی اور جیت جاؤ تو میں اپنی شکست تسلیم کرلونگا۔ پھر کھیل شروع ہو گیا تو میں دوسری اور پھر تیسری گیم بھی جیت گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم پاس ہو' اچھا کھیلتے ہو اور کھیلو۔ مزید دو بازیاں لگیں اور وہ بھی میں نے جیت لیں۔ شطرنج ختم ہوئی تو میں نے کہا لائیے دوسرا پرچہ کونسا ہے۔ اس پر رسالدار صاحب نے فرمایا کہ غالب کو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو صرف اس کا نام ہی سنا ہو گا میں تو دلی کا رہنے والا ہوں غالب کے باپ دادا کو بھی جانتا ہوں۔ آپ نے کہا اچھا تم غالب کے دیوان کا جو پہلا شعر ہے (نقش فریادی ہے -----) اس کا مطلب بیان کرو۔ اس پر میں نے اس شعر کی تشریح بیان کی تو کہنے لگے کہ اس شعر میں غالب نے انسان کے بارے میں راز کی جو بات کہی ہے وہ بتاؤ جب میں نے اس کی تفصیل بھی بتادی تو خوش ہو کر فرمایا کہ واقعی تم تو مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔ اس زمانے میں تو غالب اور اقبال کے اشعار ویسے بھی ہمیں نوک زباں تھے۔ میں نے کہا کہ نمبر بتائیں تو فرمایا سو فیصد پاس۔ میں نے عرض کیا کہ

اب لائیے تیسرا پرچہ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیسرا پرچہ یہ ہے کہ کبھی پیار بھی کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کبھی کا کیا مطلب ہم نے تو زندگی پیار میں ہی گذاری ہے۔ اس پر آپ نے تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کرلیں اور فرمایا کہ واقعی تم تو سراپا پیار ہو۔ لاؤ ہاتھ ملاؤ آج سے ہماری اور آپ دوستی ہو گئی۔

دوستی تو ہو گئی لیکن مرشدؒ نے جو مدت خالی پھرنے کی ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہم روزانہ ان کے گھر مجلس جماتے۔ دنیا بھر کی اور فقیری کی باتیں ہوتیں۔ وہ مجھے بھائی جان کہتے میں انہیں بھائی جان کہتا اور وقت خوب گذرنے لگا۔ وہ ملنے والوں کے لئے دعائیں کرتے اور خوب مٹھائی چلتی۔ یہ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے رسالدار صاحب نے ڈالی وہ اس کے بہت شوقین تھے۔ خوب مزے کی محفل ہوتی۔ لیکن میرے کام کی بات نہ ہوتی۔ آپ کمال کے فقیر تھے اور آپ کا انداز بھی انوکھا تھا۔ کوئی حاجت مند دعا کے لئے کہتا کہ اولاد نرینہ کے لئے دعا فرمادیں تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بیٹا دے دیا۔ کوئی مقدمے میں کامیابی کے لئے عرض کرتا تو کہتے جاؤ ہم نے تمہیں بری کردیا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی اور ایک دن میں نے کہہ دیا کہ بھائی جان ہم نے بہت سے بزرگوں اور پیروں کو دیکھا ہے لیکن اس طرح تو کوئی نہیں کہتا۔ بعض کو دعا کی قبولیت کا یقین بھی ہو جاتا ہے پھر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جاؤ اللہ کے فضل سے کام ہو جائے گا۔ یہ کونسا انداز ہے کہ جاؤ میں نے یہ کردیا۔ وہ تو سن کر گرم ہو گئے اور فرمایا۔

انصاری صاحب! آپ نے ولی اللہ دیکھے ہوں گے' پیر اور بزرگ دیکھے ہوں گے آپ نے کوئی فقیر نہیں دیکھا۔ میں تو فقیر ہوں۔ میں ایسے ہی کہوں گا آپ جو جی چاہے کرلیں۔ میں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ بابا جو جی چاہے کرو میں کچھ نہیں کہتا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ ایسے ہی کیا۔ ہوا یوں کہ کچھ دنوں بعد میں نے کہا کہ بھائی جان دعا کریں کہ اب واپس دلی چلا جاؤں۔ بچے وہاں ہیں اور میں یہاں پڑا ہوں۔ دو جگہ کا خرچہ مشکل سے پورا ہو رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم واپس چلے جاؤ۔ چند دن بعد ہی ہمارے ہیڈکوارٹر سے سرکاری حکم آگیا کہ ہمارے آدمی دہلی واپس بھیج دیں۔ شام کو میں نے رسالدار صاحب کو بتایا کہ لو تم اکیلے یہاں ڈگڈی بجانا کیونکہ میں تو واپس جارہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اتنی جلدی تم کیسے واپس جاسکتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہمارے

بارے میں سگنل آگیا ہے اب تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں دیکھوں گا کہ تجھے کون واپس بھیجتا ہے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ بلگام والوں نے ہیڈ کوارٹر والوں کو سگنل دیا ہے کہ ابھی یہ افراد فارغ نہیں کئے جا سکتے اور جو کام ابھی باقی ہے اس کی تفصیل خط میں لکھ کر بھیج رہے ہیں۔ اس طرح واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ چند دن بعد میں نے دوبارہ رسالدار صاحب سے گذارش کی کہ مجھے واپس بھجوا دیں۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے تمہیں واقعی اب واپس جانا چاہئے تم اب چلے جاؤ۔ ہماری یونٹ کا جب تفصیلی خط ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو انہوں نے دوبارہ سگنل دیا کہ جو کام باقی رہ گیا ہے وہ یہاں دہلی میں آکر بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے ہمارے آدمی فوراً" بھیج دیئے جائیں۔ میں بڑا خوش خوش شام کو رسالدار صاحب کے پاس گیا اور واپسی کا ذکر کرنے ہی لگا تھا کہ وہ بڑے جلال کے ساتھ گویا ہوئے کہ بھائی جان اگر آج آپ نے مجھے چھیڑا تو خدا کی قسم تم ساری عمر یہاں ہی رہو گے یہاں ہی مرو گے اور یہاں ہی تمہاری قبر بنے گی۔ چلو چھیڑو' میں نے کہا کہ نہیں بابا میں آپ کو بالکل نہیں چھیڑوں گا۔ اس پر آپ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ کل تم چلے جاؤ میں تمہیں ملنے کے لئے دہلی آیا کروں گا۔ میں تمہیں وداع کرنے کل نہیں آؤنگا۔ تم ابھی مجھے مل لو کیونکہ میں تمہیں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ میں تو اگلے روز دہلی چلا گیا اور وہ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد بنوں چلے گئے"

☆ اس قسط میں ہم نے حضرت رسالدار صاحب ؒ کا تعارف اور قبلہ حضرت انصاری صاحب ؒ سے آپ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ انشاء اللہ اگلی قسط میں انکے بقیہ حالات' کیفیات اور ملفوظات سے ہم اپنے قارئین کو محظوظ کریں گے۔ (ادارہ)

الحاج محمد حسین چہل

محبت کی بو

(بنام الحاج محمد حسین چہل 53-7-31)

آپ کے خط سے واقعی محبت کی بو آتی ہے۔ اور محبت کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف سلگتی ہے تو دوسری طرف بھی بھڑک اٹھتی ہے۔ مگر محبت میں سکون تو موت ہے۔ بے چینی اور بے قراری زندگی۔ شروع میں طلب پیدا ہوتی ہے۔ جتنی تڑپ اور بے چینی زیادہ ہوگی کامیابی زیادہ ہوگی۔ اس لئے سکون نہ مانگئے بلکہ کبھی بھی نہ مانگئے۔

اللہ اللہ کا شوق

(بنام الحاج محمد حسین چہل 53-8-24)

آپ کو اللہ اللہ کا شوق ہے۔ بہت مبارک ہے۔ لاکھوں میں ایک آدھ کو ہوتا ہے۔ لیکن یہ دنیا میں سب سے مشکل کام ہے۔ سخت تکلیف کا راستہ ہے۔ انجام بہت شاندار اور نیک ہوتا ہے۔ اگر مشکلات برداشت کرنے کی ہمت ہے تو بسم اللہ میں حاضر ہوں۔ آج ہی سے ہر سانس سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیں اور اللہ سے محبت پیدا کیجئے۔ اور مغرب یا عشاء کے بعد ہو سکے تو لا الہ الا اللہ کا ذکر کر لیا کیجئے۔

غصہ اور نفرت کی نفی

(بنام الحاج محمد حسین چہل 53-9-17)

"کوشش کیجئے غصہ بالکل جاتا رہے۔ نفرت بالکل جاتی رہے۔ ایک عالمگیر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور صداقت کردار کا طبعی جزو بن جائے۔ جب محبت اور صداقت کا مقابلہ ہو تو محبت کو

صداقت پر قربان کر دو۔ دن میں کبھی کبھی محبت کے جذبہ سے مجھے بھی یاد کر لیا کیجئے۔ اور اس محبت کو بڑھایئے۔ رفتہ رفتہ انشاء اللہ سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

ترک تعلق دنیا نہ کہ ترک دنیا

(بنام الحاج محمد حسین چہل 13/10/53)

ہمارا ملنا ابھی اللہ کو منظور نہیں۔ چنانچہ جب بھی میں کوئٹہ گیا۔ تو آپ کو مجبوراً گھر چھٹی جانا پڑا اور جب میں کوئٹہ سے کراچی واپس چلا گیا تو آپ کا کوئٹہ آنا ہوا۔ بہرحال آپ کو یاد اور سلوک کے اذکار بتائے ہیں۔ ان پر عمل کافی ہے۔ میرے طریقہ میں ترک تعلق دنیا ہے نہ کہ ترک دنیا۔ بلکہ سب کچھ کرو۔ خوب کماؤ' کھاؤ' دنیاداری کی سب باتیں کرو۔ مگر دل اللہ سے انکار ہے۔ اس کی کوشش کیجئے۔

بدروحیں

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

• بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کی مجلس میں ایک روز جنت کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بھائی نے سوال کیا کہ جنات کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی آیا ہے لیکن ہمیں بدروحوں کے بارے میں بتایئے کہ یہ کونسی مخلوق ہے۔ اس پر حضرت ؒ نے ارشاد فرمایا کہ بدروحیں تو بے شمار ہیں۔ جو لوگ کافر مطلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو نہیں مانتے۔ یا وہ لوگ جو زبانی زبانی تو اقرار کرتے ہیں لیکن کبھی بھولے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر نہیں کرتے۔ ہروقت بیوی بچوں مال و دولت سیاست مہنگائی اور دنیا کی فکر میں غلطاں رہتے اور نیکی بدی اور حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھتے ہیں تو ایسے لوگ جب مرتے ہیں تو ان کی روحیں لطافت اور قوت سے یکسر خالی اور گناہوں کی کثافت سے اسقدر بوجھل ہوتی ہیں کہ وہ مادے کی قید سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جنت میں بھی داخل نہیں ہو پاتیں اور مادے کے اندھیروں ہی میں بھٹکتی رہتی ہیں قیامت کے روز جب کہ مادہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا تب انہیں یہاں سے رہائی ملے گی اور انہیں زبردستی دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ یہ نہایت ہی قابل رحم مخلوق ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں لیکن برے اعمال کی کثرت کی وجہ سے مرنے کے فوراً بعد دوزخ میں داخل کئے جاتے ہیں ہو سکتا ہے قیامت کے دن تک وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اسلام کی تعلیم اور اسکی ساری عبادات مادی دنیا کی محبت کو کم کر کے اللہ تعالیٰ اور

آخرت کی محبت کو بڑھاتی ہیں تاکہ انسان فلاح پا سکے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت قبول نہیں کرتے وہ مادی دنیا کی لذتوں میں اس طرح پھنس جاتے ہیں کہ اللہ اور آخرت کو بھول ہی جاتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی اس مادے کے ساتھ ہی چمٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ اپنی زندگی میں وہ نیکی کے کاموں سے دور رہے اسلئے مرنے کے بعد بھی شرارتیں کرتے اور دوسرے انسانوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اگر تم لوگ سچے مومن بن جاؤ اور اللہ کاذکر کثرت سے کرو تو کوئی جن یا بد روح تمہارے پاس آنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ آپ نے اکثر سنا ہو گا کہ یہ بد روحیں عام طور پر ہندوؤں اور عیسائیوں کی ہوتی ہیں یہ بھی دین اسلام کی صداقت کا ثبوت ہے کہ اللہ مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے ایک فقیر ملا جو قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ زمین کے اندر بھی ایک مخلوق رہتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس نے چٹائی کا ایک کونہ اٹھایا اور مجھے کہا کہ خود ہی دیکھ لو۔ میں نے دیکھا کہ اندر کئی قدیم قسم کے شہر آباد ہیں۔ بیل گاڑیاں اور رتھ چل رہے ہیں اور لوگ عجیب و غریب قسم کے لباس پہنے گھوم رہے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ انسانی روحیں ہیں جو زمین میں قید کر دی گئی ہیں۔ انہیں قیامت کے روز یہاں سے رہائی ملے گی۔

جب میں کراچی میں تھا تو ایک صاحب نے مجھے اپنی پریشانی بتائی کہ ان کی دو جوان بچیوں پر کوئی چیز حملہ کرتی ہے اور انہیں بے آبرو کرتی ہے۔ کئی ایک عاملوں کی خدمات حاصل کی ہیں لیکن اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں ملا۔ میں ان کے ساتھ چلا گیا اور لڑکیوں کو پڑھ کر دم کیا تو وہ دونوں بے ہوش ہو گئیں۔ جب بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی پنڈت کی بد روح ہے۔ اور ان بچیوں پر اس لئے قبضہ جمائے ہوئے ہے کہ ان کے دادا ہندو تھے۔

وہ ہمیں ڈنڈوت کرتے اور ہمارے نام کی قربانی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے اس لئے میں ان کو تنگ کرتا رہوں گا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اب جب کہ یہ لوگ اسلام قبول کرچکے ہیں آپ سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ میں نے پانی دم کرکے بچیوں کو دیا وہ کچھ دن تو ٹھیک رہیں لیکن پھر وہی دورہ پڑنے لگا۔ اس کے بلانے پر میں دوبارہ گیا تو ان صاحب سے میں نے اجازت لی کہ یہ میری بھی بیٹیاں ہیں اس لئے انہیں گلے لگاکر توجہ دینا چاہتا ہوں۔ ان کی اجازت سے جب میں نے ایسا کیا تو لڑکیاں چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔ چند منٹ بعد وہ ٹھیک ہوگئیں۔ اس کے بعد پھر وہ بدروح کبھی نہیں آئی۔

ہمارے بنوں والے مکان میں بھی کسی ہندو لڑکی کی بدروح رہتی تھی۔ گھر کے کونوں سے کبھی گانے کی کبھی گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دیتی۔ ایک دن میں نے اس کا خیال کیا تو وہ میرے سامنے آگئی۔ میں نے اس پر توجہ کی تو اسے آگ لگ گئی اور اس کے جسم کو شعلوں نے لپیٹ میں لے لیا۔ اس پر وہ کھلکھلا کر ہنسی اور غائب ہوگئی۔ اس کے بعد نہ تو کبھی وہ دکھائی دی اور نہ ہی گانے اور گھنگھروؤں کی آواز آئی۔ لیکن میں اس بات پر بڑا حیران تھا کہ میری توجہ سے اس کے بدن کو آگ لگ گئی تھی تو وہ اس بات پر خوش کیوں ہوئی۔ بعد میں جب اس کی حقیقت ہم پر کھلی تو ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ اس بات پر خوش ہوئی تھی کہ ہماری روحانی توجہ سے جو اس کے جسم کو آگ لگی تو اس سے اسے مادے کی قید سے آزادی مل گئی اور وہ ناسوت کے طبقات میں داخل ہوگئی۔ اس طرح اسے مفت میں ہی بدروحوں کی دنیا سے نجات مل گئی اور اگلے درجے میں اس کی ترقی ہوگئی۔

راہِ سلوک کی رکاوٹیں

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

(8) انسان جب کوئی اچھا کام کرتا ہے یا کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے تو اس کو فطرتاً یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے قدرے ممتاز محسوس کرتا ہے۔ اس جذبہ کو فخر کہتے ہیں۔ فخر کا جذبہ ہر انسان میں فطرتاً ودیعت کیا گیا ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو کوئی انسان بڑے بڑے کارنامے انجام نہ دے سکتا۔ نہ مجبوروں اور محتاجوں کو مدد دیتا۔ میں نے ایک چھوٹی سی آٹھ سال کی بچی کو دیکھا کہ ایک دن جب وہ سکول سے آئی تو بہت خوش تھی۔ چہرہ تمتما رہا تھا اور بات بات میں کھلی جاتی تھی۔ میں نے پوچھا آج کیا بات ہے بہت خوش نظر آتی ہو۔ کہنے لگی آج میں نے ایک بہت ہی اچھا کام کیا ہے۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ سکول سے چھٹی ملنے پر جب میں گھر آ رہی تھی تو چوراہے پر ایک عورت کو دیکھا جو بہت ہی بوڑھی، کمزور اور اندھی تھی۔ اس کی بغل میں ایک گٹھڑی اور ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ بار بار سڑک کی طرف بڑھتی لیکن پھر واپس ہو جاتی۔ میں نے پوچھا "اماں کیا بات ہے" کہنے لگی بیٹا سڑک کے پار جانا چاہتی ہوں مگر بھیڑ بہت ہے" میں نے گٹھڑی ہاتھ میں لی اور لاٹھی پکڑ کر سڑک کے پار پہنچا دیا۔ اس نے کہا بیٹا میرا گھر نزدیک ہی ہے اگر وہاں تک پہنچا دے تو بڑا احسان ہو گا اس پر میں نے اس کو اس کے گھر کے دروازے تک پہنچا دیا۔ اس بڑھیا نے مجھے اتنی دعائیں دیں کہ آج تک کسی نے بھی نہیں دیں۔ اسی وجہ سے آج میرا دل بہت خوش ہے۔

میں یہ سطور لکھ ہی چکا تھا کہ پوسٹ مین ڈاک لایا۔ سب سے پہلا خط جو کھولا تو اس میں بھی ہو بہو یہی مضمون تھا۔ یہ خط حلقہ کے ایک دوست نے بھیجا تھا۔ لکھا تھا کہ "آج ایک نیک کام کیا جس سے دل بہت خوش ہوا۔ میں سائیکل پر آ رہا تھا دور سے دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سفید پوش ایک ہاتھ میں سامان اٹھائے جا رہا ہے۔ لیکن اٹھا نہیں پاتا۔ کبھی ایک ہاتھ میں لیتا ہے کبھی دوسرے میں۔

میں نے سائیکل روک لی۔ سلام کیا۔ سامان اٹھایا اور اسے منزل تک پہنچا دیا۔ بڑی دعائیں دیں تھا"۔ دیکھنے میں یہ بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن جن کو ان باتوں پر خوشی ہوتی ہے وہی بڑے بڑے کارنامے بھی انجام دیتے ہیں۔

فخر صرف نیک اور بڑے کاموں پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اور بھی بہت سی باتوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً ذات پات پر۔ اپنے وطن پر' قوم' قبیلے اور خاندان کی شرافت اور عزت پر یا اپنے خاندان کے کسی معزز اور مشہور آدمی پر۔ مثلاً" بنو ہاشم اس بات پر یقیناً" فخر کر سکتے ہیں کہ انکے خاندان میں حضور اکرم ﷺ پیدا ہوئے۔ یا سادات حضور ﷺ کی آل ہونے پر۔ یا ہم مسلمان سرور کائنات ﷺ کی امت ہونے پر۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یاد رکھئے یہ جذبہ اسی وقت تک فخر کہلاتا ہے جب تک کہ احساس عزت و مسرت کی حدود میں رہے۔ اس سے آگے بڑھتے ہی یہ بجائے خیر کے شر بن جاتا ہے۔ مثلاً" جب کوئی اپنے لباس' مکان' حسب نسب' منصب یا دولت پر اترانے اور شیخی مارنے لگے تو یہ فخر نہیں کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر تمہاری کوئی چیز تم سے چلی جائے تو اس پر رنج نہ کرو اور اگر تم کو کوئی اچھی شے میسر آجائے تو اس پر اتراؤ نہیں شیخی نہ مارو۔ اللہ شیخی خوروں اور اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا" اب اگر کوئی اترانے اور شیخی مارنے سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ جائے تو یہی کبر و غرور کہلائے گا جو بہت ہی بڑی بدی ہے۔ شیطان کو اس کے کبر و غرور ہی نے قیامت تک کے لئے لعنت میں گرفتار کرایا ہے۔

فخر' اتراہٹ اور غرور میں یہ فرق ہے کہ فخر میں تو دل میں خوشی اور اللہ کے تشکر کا جذبہ ہوتا ہے۔ اتراہٹ میں اپنی نمود و نمائش منظور ہوتی ہے اور غرور میں اپنی برتری اور دوسروں کی کمتری اور ذلت و حقارت کا خیال ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ غرور' طاقت جسمانی' علم' حسن صورت' دولت' منصب' حسب نسب' عبادت اور روحانی طاقت وغیرہ سے پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ کم علمی' تنگ نظری اور فقدان غور و تفکر ہوتی ہے۔ مغرور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز اس کے پاس ہے وہ اور کسی کے پاس نہیں۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو سب سے افضل و برتر اور

دوسروں کو حقیر و ذلیل اور کمتر جانتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ جس چیز پر غرور کرتا ہے اسی کے خیال میں گم رہتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ اس چیز کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سی نعمتیں اور خوبیاں ہیں جو دوسروں کے پاس ہیں لیکن اس کے پاس نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک پہلوان کو اپنی جسمانی طاقت پر غرور ہے۔ اس کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آتی کہ بلاشبہ میرے پاس جسمانی طاقت تو ہے لیکن نہ علم ہے نہ دولت ہے نہ جاہ و منصب۔ پھر میں صرف طاقت جسمانی پر کیوں غرور کروں۔ یہی حال دوسروں کا ہے کہ ہر ایک کے پاس ایک دو چیزیں ہیں ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور بہ فرض محال کسی کے پاس اگر سب نعمتیں موجود ہوں تب بھی اس کو یہ غور کرنا چاہئے کہ یہی نعمتیں اس سے کہیں زیادہ دوسروں کے پاس موجود ہیں پھر غرور کس بات کا۔ مگر یہ لوگ اس طرح کبھی نہیں سوچتے۔ اگر کچھ دن اس انداز سے غور کریں تو بہت جلد اس بیماری سے نجات مل جائے۔

اب میں خاص طور پر ان لوگوں کا ذکر کروں گا جن کو اپنی روحانی طاقت پر غرور ہو جاتا ہے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ روحانی طاقت پر غرور ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کی طلب صادق نہیں ہوتی اور جو بے علم اور کم ظرف ہوتے ہیں اور جو جاہل اور ناقص صوفیوں کی بے سروپا روایات ہی کو حاصل تصوف اور کمال سلوک خیال کرتے ہیں اور محض اس مقصد سے بیعت ہوتے ہیں کہ جلدی سے فقیر بن کر لوگوں کو مرید کرنے لگیں اور ان سے نذرانہ وغیرہ لے کر عیش کریں۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی کہ تصوف و سلوک کا مقصد و منتہا ذات باری تعالیٰ کا قرب و مشاہدہ اور معرفت ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے بڑا وقت اور انتہائی سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ ان میں کئی آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بیعت ہوئے اور ذکر و عبادت کرتے ہوئے دو چار ماہ بھی نہیں گزرنے پاتے کہ ان کا پیمانہ چھلکنے لگتا ہے۔ اب وہ لوگوں کو دکھانے اور ان پر رعب جمانے کے لئے جا و بے جا' موقعہ و بے موقعہ ہر جگہ اپنی عبادت کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ ھو کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ انتہائی طور پر جاہل ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو سمجھانا اور راہ حق

دکھانا بہت مشکل ہے۔ ان کا شیخ تو چونکہ ہر وقت ان کے ساتھ نہیں رہتا اس لئے ان کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ ان کے پیر بھائی جو ان کے ساتھ رہتے ہیں یہ ان کو سمجھائیں اور صحیح راستہ دکھائیں۔ پھر اگر کوئی مان جائے تو سبحان اللہ ورنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور قرآن کی اس آیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے صبر کر لینا چاہیے کہ "تمہارا کام صرف پہنچانا (صحیح تعلیم دینا) ہے ہدایت کرنا یا گمراہ رکھنا اللہ کا کام ہے۔"

دوسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں جو کہ عبادت و ذکر پوری کوشش سے جاری رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان میں جذب و حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ وقت بہت نازک ہوتا ہے۔ عالی ظرف اور تعلیم یافتہ لوگ تو اس کو خاطر میں بھی نہیں لاتے لیکن جاہل اور کم ظرف اسی جذب و حرارت کو سلوک کا کمال سمجھ لیتے ہیں۔ اور اگر ان کو کچھ روحانی مناظر یا روحیں نظر آنے لگیں یا کشف و کرامات کی طاقت پیدا ہو جائے تب تو پوچھنا ہی نہیں۔ اب یہ لوگ اپنے آپ کو واقعی کامل و اکمل سمجھ لیتے ہیں۔ عوام پر اپنی بزرگی ثابت کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ عوام تو رہے ایک طرف ان کو تو یہ اپنے سے کمتر بلکہ حقیر و ذلیل سمجھتے ہی ہیں یہ تو سچ مچ کے بزرگوں کو بھی نہیں گانٹھتے اور ان کے منہ آتے ہیں۔ جہاں سنتے ہیں کہ کوئی بزرگ موجود ہے وہیں پہنچ کر اس پر توجہ کرتے اور جتاتے ہیں کہ ہم بھی بزرگ ہیں۔ اور جس کو اپنے سے کم طاقتور پاتے ہیں اس سے روحانی کشتی لڑنے لگتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا شیخ کامل نہ ہو تو ان کا بہت ہی برا حال ہوتا ہے۔ کبھی نہ کبھی ان کا واسطہ کسی ایسے جلالی فقیر سے پڑتا ہے جو ان کی ساری شیخی کرکری کر دیتا ہے اور ان کی ساری لنجیا پنجیا چھین چھان کر دنیا کی خاک چھاننے کو چھوڑ دیتا ہے۔ بعض تو اس صدمے سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلاح بھی بہت مشکل ہے۔ اصلاح کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی بات مانیں اور اس کے کہنے پر یقین کر لیں کہ اب تک جو کچھ بھی ان کو ملا ہے اس کی منازل سلوک میں کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن ان کو تو کشف و قبور اور روحانی مناظر دیکھنے کا ایسا چسکا پڑ جاتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی بھی نہیں سنتے۔ بلکہ کئی تو ایسے ہوتے ہیں جو شیخ کو بھی روحانیت میں اپنے

سے بھی نیچا سمجھتے ہیں۔ ان کی اصلاح سے بھی مایوس ہو جانا اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

جو لوگ اس مقام تک خیروعافیت سے پہنچ جائیں یعنی ان میں حرارت و جذب بھی کافی پیدا ہو جائے کشف و کرامات کی طاقت بھی آجائے غصہ میں بھی کمی ہو جائے. غرور و نفرت اور دوسرے کبیرہ نقائص بھی جاتے رہیں وہ انشاءاللہ ضرور فائزالمرام ہوں گے اور ان کو خدا کا قرب ولقا ضرور میسر آئے گا۔ ان بزرگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ناسوت و ملکوت طے کر کے جبروت تک پہنچ گئے ہیں جو ایک نہایت اعلیٰ مقام اور بڑا مرتبہ ہے لیکن یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جبروتی بزرگوں میں بھی کچھ غصہ ضرور باقی رہ جاتا ہے جس کو لوگ جلالی کہلاتے ہیں۔ جبروت سے آگے لاہوت ہے۔ یہاں پہنچنے اور اسے طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طبیعت اور اخلاق میں بے انتہا نرمی. شگفتگی اور لطافت پیدا کی جائے اور چھوٹی اخلاقی کمی کو بھی دور کر دیا جائے۔ صاحب جلال ہونا کچھ اچھی بات نہیں۔ ہم کو ہر بات میں حضور نبی کریم ﷺ کی عادات و خصائل اور اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ سراپا جمال تھے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رحمتہ اللعلمین کا خطاب عطا فرمایا ہے۔

لاہوت سے آگے ہاہوت اور پھر ہو ہے۔ یہاں صور و اشکال غائب ہو جاتی ہیں اور صرف وہ بزرگ ہی وہاں تک پہنچ سکتے ہیں جن کا قلبی تعلق دنیا سے اتنا بھی نہ رہے جتنا ایک رائی کا دانہ۔ اسی کو قطع ماسوئ اللہ کی تکمیل کہنا چاہیئے اور یہ بات صرف اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی میں بالکل فنا کر دیا جائے۔ مگر لاکھوں طالبان صادق میں سے بھی صرف چند نفوس ہی یہاں تک پہنچ پاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہوتا ہے۔ اس سے آگے لطائف امر ہیں اور یہ مقامات مخصوص ہیں صرف عارفان حق کے لئے۔

حلقہ کے اکثر احباب بجا طور پر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کس مقام پر ہیں۔ تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کو خواب یا نیم خوابی کی حالت میں ان مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے یا یہ بشارت دی جاتی ہے کہ تم فلاں مقام طے کر کے فلاں مقام پر آگئے ہو۔ جن کو نہ

بشارت دی جائے نہ کچھ نظر آئے ان کے مقام کا تصور ان کے اخلاق کی پاکیزگی سے ہوتا ہے۔ ان
خود غور کرنا چاہیئے کہ بیعت ہونے سے پہلے ان کا اخلاق کیسا تھا اور اب کیسا ہے۔ ملکوت میں پہنچ کر
اخلاق عام انسانوں کی بہ نسبت بہت اچھا ہو جاتا ہے۔ گناہوں سے دل محترز رہتا ہے۔ ذکر میں لطف
آتا ہے اور خدا کی یاد اور محبت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے اور دنیاوی تفکرات و مکروہات کا دل و
دماغ پر اثر کم ہونے لگتا ہے۔ جبروت، لاہوت، ہاہوت، اور ہو کا حال پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ اگر خود
اندازہ نہ ہو سکے یا تسکین نہ ہو تو شیخ سے دریافت کر کے اس کی بات پر یقین کر لینا چاہیئے۔ لیکن
سب سے اچھا تو یہ ہے کہ آپ اس چکر میں ہی نہ پڑیں اپنا کام کرتے رہیں۔ آخر میں خود ہی سب
کچھ معلوم ہو جائے گا۔

(۸) آٹھویں رکاوٹ غلط فہمی ہے۔

یہ ایک مبتدی سے لے کر منتہی تک سب ہی کو ہو سکتی ہے۔ مبتدی کی غلط فہمیاں تو اس کا شیخ رفع کر سکتا ہے مگر منتہی کی غلط فہمی تو خدا کے دور کیے ہی دور ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غلط فہمی اپنے بس کی بات نہیں اس لئے گناہ نہیں ہے اور اس کی وجہ سے کوئی سالک اپنی منزل سے گرا نہیں کرتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ آگے ترقی نہ کر سکے۔ غلط فہمی پر مواخذہ بھی نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد اس کو اپنی غلط فہمی معلوم ہو جائے گی اور وہ باقی منازل اس کی روح طے کرے گی۔ یہ غلط فہمیاں ان گنت قسم کی ہوتی ہیں اس لئے ان سب کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں ہے۔ تاہم چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ عقلمند انسان انہی سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔

مبتدیوں کی غلط فہمیاں تو صرف یہ ہوتی ہیں کہ جب ان میں سوز و حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ یا کشف و کرامات کی طاقت آجاتی ہے تو وہ علم نہ ہونے کی وجہ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ "ہم کامل ہو گئے۔" لیکن اس قسم کی غلط فہمیاں شیخ حلقہ یا کوئی بزرگ بڑی آسانی سے دور کر دیتا ہے۔ مشکل تو ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو مقام ھو یا لطائف عالم امر سے واسطہ پڑنے پر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چند بزرگوں کو ابتداء ہی میں جذب و حرارت ہی خدا کی

ذات ہے جو ہمارے بدن میں حلول کر گئی ہے۔ اور چونکہ کشف و کرامات اسی حالت جذب ہی میں زیادہ سرزد ہوتی ہیں اور بہت سے خوارق عادات بھی اسی وقت ان کے صرف کہہ دینے سے ظہور میں آجاتے ہیں۔ اور جب یہ جذب کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ معمولی آدمی رہ جاتے ہیں اور کوئی کرامت نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے ان کا یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ خود خدا ہی تھا جو اس وقت ان کے جسم میں حلول کر گیا تھا۔ حالانکہ حلول کا عقیدہ الحاد ہے اور تمام صوفیائے کرام اور علمائے عظام اس بات پر متفق ہیں کہ حلول کا عقیدہ رکھنے والا ملحد ہے۔ لیکن یاد رکھیے کہ حلول کے عقیدہ کو غلط فہمی کی وجہ سے اپنے دل میں رکھنا تو زیادہ نقصان دہ نہیں اور اس سے رجعت نہیں ہوتی لیکن حالت صحو میں لوگوں کے سامنے اس عقیدے کو بیان کرنا اور اس پر اڑے رہنا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ اس طرح عامتہ المسلمین کے عقائد خراب ہوتے اور ان کے ایمان میں خلل آتا ہے۔

یہ تو تھی متبدیوں کی مثال۔ منتہیوں کی ایک مثال یہ ہے کہ جب وہ ھو میں پہنچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہاں کوئی صورت اور شکل موجود نہیں لیکن عالم مثال اور عالم مادی میں جو کچھ پیدا ہوتا اور ظہور میں آتا ہے وہ سب اسی مقام ھو سے وہاں تک مدارج تنزلات طے کرتا ہوں پہنچتا ہے تو وہ لطائف عالم امر سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ھو کو خدا کی ذات خیال کر لیتے ہیں۔ میرے شیخ جناب مولانا کریم الدین احمدؒ فرماتے تھے کہ وہ جب ھو، عدم، نفس اور عقل کے لطائف طے کر کے لطیفہ روح میں پہنچے اور یہ لطیفہ ان پر کھلا تو وہ غلطی سے روح کو ذات باری تعالیٰ سمجھ بیٹھے اور تقریباً ایک سال تک اسی کو سجدے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی۔ جنگل بیابان میں ایک مجذوب بزرگ ملا۔ اس نے کہا کہ تو تو کافر ہے۔ روح کو سجدے کرتا ہے۔ جب مولاناؒ نے اس سے گفتگو کرنا چاہی تو بجائے گفتگو کرنے کے اس مجذوب نے مولاناؒ کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مارا۔ مولاناؒ فرماتے تھے کہ تھپڑ کا لگنا تھا کہ حقیقت مجھ پہ روشن ہو گئی اور جس غلط فہمی میں میں مبتلا تھا میں نے اس سے توبہ کی اور آگے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ مجھ کو خود دوران سلوک ایک ایسی ہی غلط فہمی ہوئی۔ یعنی جب میں عدم میں پہنچا اور میں نے معلوم کیا کہ وہاں

کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ کوئی رنگ نہ بو۔ نہ جسم، نہ صفت تو میں نے اس کو ذات باری تعالیٰ سمجھا اور تقریباً دو سال اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا اور آگے بڑھنے کی کوشش کو ترک کر دیا۔ حالانکہ ابھی سارا عالم امر اور سواد عرش طے کرنا تھا۔ لیکن آخر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا۔ میرے ایک دوست کے ذریعے ایک مجذوب نے مجھ کو پیغام بھیجا کہ "او سینما والے یہ تو دریائے نیل ہے۔ اس پر عوج بن عنق کی ہڈی کا پل ڈال اور دوسرے کنارے پر چلا جا کہ اصل ملک تو وہیں سے شروع ہوتا ہے" مجذوب کی یہ بڑ سنتے ہی مجھے القاء ہوا کہ دریائے نیل سے مراد عدم ہے اور عوج سے مراد اوج ہے۔ یعنی تو عدم میں ہے اس کے اوج پر پہنچ جا تو پھر دوسرے ملک یعنی عالم امر میں داخل ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ عقل مند طالب اسی سے سب کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

آیئے اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے مسلمانوں پر رحم کرے اور ان کو ایمان کامل دے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو کفار و مشرکین کے مقابلہ کی طاقت دے اور ان پر فتح کامل عطا فرمائے۔ حلقہ توحیدیہ کے سب بھائیوں کو دین اور دنیا دونوں میں کامیاب اور سرخرو کرے اور اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کے صدقہ میں اپنے قرب، لقاء اور معرفت سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

روحانی جمہوریت

(کے ایم اعظم) حضرت علامہ اقبال نے اپنے چھٹے خطبہ میں "روحانی جمہوریت" کی اصطلاح صرف ایک بار' اس پیرائے میں استعمال کی ہے۔

"ہمارے لئے تو زندگی کی روحانی اساس ایمان و یقین کا معاملہ ہے ---- پھر اسلام کے اس بنیادی تصور کے پیش نظر کہ وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے' ہمارا شمار روحانی طور پر دنیا کی سب سے زیادہ استخلاص یافتہ قوموں میں ہونا چاہئے۔ شروع شروع کے مسلمان جنہوں نے ایشیائے قبل از اسلام کی روحانی غلامی سے نجات حاصل کی تھی۔ اس کے اس انقلابی تصور کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ نہ پائے لیکن ہمیں چاہئے کہ آج ہم اپنے اس موقف کو سمجھیں اور اپنی حیات اجتماعیہ کی از سرنو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں تا آنکہ اس کی وہ غرض و غایت جو ابھی تک جزوا" ہمارے سامنے آئی ہے۔ یعنی اس روحانی جمہوریت کی نشوونما جو اس کا مقصود منتہا ہے۔ تکمیل کو پہنچ سکے"

بہر حال ان کی شاعری اور تحریروں میں اسلامی روحانی جمہوریت کے خدوخال اور مضمرات موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کو یکجا کر کے یہاں پر اس کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ بے شک انسان کی تخلیق میں بدن و روح دونوں شامل ہیں' مگر اس کی اساس روحانی ہے۔ بدن کا تعلق مادہ زمین اور اس دنیا سے ہے جب کہ روح کا تعلق دوسری دنیا اور ذات الٰہی سے ہے۔ یہی ابلیس کی غلطی تھی کہ اس نے انسان کو مٹی کا پتلا سمجھ کر سجدے سے انکار کر دیا اور اس کی خاک میں پوشیدہ اللہ کی تجلیات کو نہ دیکھا' ابلیس کی اس قدیم غلطی کو انسان بھی دہراتا رہا کہ وہ انسان میں صرف خاک کو دیکھتا ہے اور اس پر ظلم کرتا ہے۔ اگر وہ اس میں اللہ کی روح کو دیکھے تو اس کا احترام کرے۔ جب ہم حقیقتاً" انسان کی روحانی اساس کے معترف ہو جائیں گے تو اس ارض خاک پر روحانی جمہوریت قائم ہو جائے گی۔

- انسان کی روحانی اساس کو ماننے کا واحد ذریعہ ایمان بالتوحید ہے' جو کہ ہر قسم کے شرک کی کلی نفی کرتا ہے۔ جس معاشرے میں شرک ہو گا' وہاں طاغوت ہو گی اور جہاں طاغوت ہو گی وہاں روحانی جمہوریت کا قیام ناممکن ہو گا۔ اس ارض خاکی پر الطاغوت یعنی برائی کی قوتیں بالعموم چار

صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

1۔ فرعونی! خدائی کے دعویدار بادشاہ' سلاطین اور آمر وغیرہ

2۔ ہامانی قوتیں! نوکر شاہی' جاگیردار وغیرہ جو فرعونی طاقتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں تقویت دیتے ہیں۔

3۔ قارونی قوتیں سرمایہ دار اور سود خور جو فرعونی اور ہامانی قوتوں کی قصیدہ گوئی اور حمایت میں مصروف رہتے ہیں۔

4۔ آزری قوتیں۔ بت گر روحانی جاگیردار' جو ہامانی اور قارونی قوتوں سے تعاون کرتے ہیں۔ علامہ اقبال طنزیہ طور پر ان کی تمثیل ان کووں سے کرتے ہیں جو عقابوں کے نشیمنوں پر قابض ہوں۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

روحانی جمہوریت کا مقصد دنیا میں ظلم' خوف' حزن اور تصادم سے پاک معاشرہ کا قیام ہے جس کے اہداف انسان کا زمین سے رشتہ توڑ کر اور اللہ سے رشتہ جوڑ کر' اس کے اندر دلسوزی' دردمندی' غمگساری اور انسانی دوستی کے جذبات کو فروغ دینا اور توحید اور الخلق عیال اللہ کے اساس پر ایک انسان دوست معاشرہ کی تعمیر نو ہیں۔ درحقیقت وحدت نوع انسان اللوہ کی وحدت کے ساتھ مربوط ہے۔ انسان کو خلیفتہ الارض بنانے کا نظام ہی روحانی جمہوریت ہے۔ روحانی جمہوریت کا دارومدار محافتہ اللہ ہے۔ جب کہ سیکولر جمہوریت عوام کی حاکمیت پر یقین رکھتی ہے۔ جو درحقیقت سرمایہ کی حاکمیت ہے۔ روحانی جمہوریت کا صحیح نظر عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب برپا کر کے اس کو زمان' مکان' وطن' قوم' نسل' نسب کی آلودگیوں سے منزہ کرتا ہے۔ دراصل انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔ جب تک اس دنیا کے انسان اپنی توجہ احترام آدمیت کے درس پر مرکوز نہ کریں گے' یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی روحانی جمہوریت میں عہد جدید کے تین فتنوں' وطنی قومیت' دین و ریاست کی دوئی اور دہریانہ مادہ پرستی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کی مادی تعبیر میں انسان حدود اللہ کو پہچان نہیں پاتا۔ جب کہ اس کی روحانی تعبیر میں وہ ان سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پاکستانی معاشرہ ایک طرف

رجعت پسند، مقلد اور متشدد اور دوسری طرف آزاد خیال، مغرب زدہ اور فرنگی گزیدہ گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ کوئی بھی گروہ ایسا نہیں جو کسی مثبت طریقے سے اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے لئے مسلمانوں کے مسخ شدہ عقائد اور ناقص فہم دین کی اصلاح ضروری ہے۔ روحانی جمہوریت کا دارومدار نفاذ غلبہ اسلام کی بجائے نفوذ اسلام پر ہے۔

بہر حال اسلام میں رواداری رویہ ہے، اصول نہیں۔ اصول الدین وجود باری تعالیٰ، رسالت اور حیات بعد الموت ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر دونوں کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس لئے کافر اور مشرک تو انسانی معاشروں میں ہمہ وقت وجود رہیں گی۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حق پر ہیں۔ ملت کے اندر ان کا وجود برداشت کرنا حکمت ہے۔ اللہ کا منشا یہ ہے ان کو غلبہ بالقوہ سے ختم نہ کیا جائے بلکہ انکے دل موہ کر توحید پر قائم کر دیا جائے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس سے مل کر مستقل لائنوں پر ایک بھائی چارہ قائم کر لیا جائے، جیسا کہ محترم ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال ہے۔

روحانی جمہوریت کا مطمع نظر ایک ایسے توحیدی معاشرہ کا قیام ہے۔ جس میں ہر شہری وہ مقام حاصل کر لے جس کا وہ خواہاں ہو۔ اسلام کا مقصد ایک ایسے نظام کی تشکیل ہے، جس کے تحت انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہ رہے اور اللہ کے سوا اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ ہو وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلتے تو اس کی اپنی اہلیت و قابلیت کے سوا کوئی اور رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی من جانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان وہ کمی پوری کر دے۔ معاشرتی و معاشی نظام ایسا ہو کہ اسے تعلق باللہ کی نشوونما کے لئے بھی فراغت مل جائے، جس کی برکت سے اس میں فقط اپنے حقوق کی بجائے اپنے فرائض اور دوسروں کی حقوق کا شعور اجاگر ہو جائے۔ انسان میں تقویٰ اور معرفت الٰہی پیدا کر کے اسلام دنیا و آخرت کے مفادات میں توازن پیدا کرتا ہے اور ریاست اخلاقی بنیادوں پر معاشرتی اور اقتصادی نظام قائم کرتی ہے۔

روحانی جمہوریت کا نظام معاشیات میں مساوات، معاشرت میں مواسات، احترام آدمیت اور انسانی دوستی، سیاست میں مشاورت، حکومت میں عوام کی شراکت، انسانی مراسم میں خوش خلقی اور اخوت، اخلاقیات میں اسوہ حسنہ کی اقدار پر قائم ہو گا۔ اس نظام کا مطمح نظر علاقیت کے برعکس آفاقیت، رجعت پسندی کے برعکس اسلام کی ایک وسیع النظر، روشن خیال اور متحرک تعبیر، غلبہ

بالقوہ کی بجائے غلبہ بالاخلاق تنگ نظری کی بجائے۔ وسیع المشربی، تشدد کے برعکس اعتدال اور میانہ روی، ماسوائے ظلم کے خلاف جنگ کے صلح کل اور ماسوائے شرک کے دوسرے مذاہب کے ساتھ فراخ دلی اور رواداری کے رویے پر مبنی ہوگا۔ اس روحانی اساس کو مرکزی اساس تعلق باللہ پر ہوگی۔ جبکہ مغربی جمہوریت کا حاصل وطن پرستی، مادیت، ملوکیت، سرمایہ داری اور استحصال ہے۔ روحانی جمہوریت کے زریں اصول وحدت انسانی، احترام آدمیت، مساوات، عدل، احسان، محبت، اخوت، مروت، رواداری، اور میانہ روی ہے۔

روحانی جمہوریت کے نظام کو چلانے والے قرآن کے فلسفہ حسن کے پیروکار یعنی محسن ہونگے۔ جو وجیہ فی الدنیا وال آخرہ کی فضیلت کے طلبگار ہونگے۔ لوگوں سے خوبصورت انداز میں گفتگو کریں گے۔ ان سے معاملات میں توازن، میانہ روی اور اعتدال کو اپنائے رکھیں گے۔ حق گو، متقی، بیباک، شجیع اور منصف ہونگے۔ عملی میدان میں مستقل مزاج، اولوالعزم، کارگرو کارساز ہونگے۔ نہ اتنے پرجوش ہونگے کہ حکمت کھودیں۔ اور نہ اتنے مصلحت کوشش کہ حق گوئی سے صرف کریں۔

حکومت کے ذیلی فکری اور علمی اداروں کے کرنے کا کام تو یہی ہے کہ حضرت علامہ کے نظریہ روحانی جمہوریت پر ایک افعال فکری تحریک چلانے کا بندوبست کریں۔

راجکماری جلوبیہ بانو بیگم (رحمۃ اللہ علیہا)

(ڈاکٹر حمید اللہ فاروقی)

کلکتہ کی مشہور نو مسلم خاتون محترمہ جلوبیہ بانو بیگم بنگال کے ایک ہندو راجہ کی صاحبزادی تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کی حامل تھیں۔ انہوں نے کامل تحقیق کے بعد اسلام قبول کیا اور اس سلسلہ میں بہت سی تکلیفیں برداشت کیں۔ ذیل کی تقریر انہوں نے قبول اسلام کے بعد کلکتہ کے ایک جلسے میں کی۔

برادران اسلام و خواہران دینی! میں ایک نو مسلم ہوں اور میں ایک سچے اور سائنٹیفک مذہب اسلام کو پا کر بہت ہی خوش ہوتی ہوں۔ میرا دل حقیقی خوشی سے لبریز ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ میں ہر انسان سے جس تک میری رسائی ہو اپنے آقائے نامدار محمد ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور تعلیمات کا ذکر کروں۔

شاید آپ میرے تجربات کا مختصر خلاصہ جو مجھے تحقیق مذاہب کے سلسلے میں پیش آئے سن کر مسرور ہوں گے۔ میں ہندو والدین کے گھر پیدا ہوئی مگر ہماری پرورش عیسائی اثر کے تحت ہوئی۔ ہندو مذہب کی مطلقاً کوئی واقفیت نہ تھی۔

میں نے 1924ء میں مذہب اور فلسفہ کا وسیع طور پر مطالعہ شروع کیا۔ میں ان کا مطالعہ عالم فاضل بننے کے لئے نہ کرتی تھی۔ بلکہ تحقیق حق میرا مقصد تھا۔ میرے دل میں خدا تعالیٰ کے ایک مخلص اور صادق بندے کی طرح عبادت کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی تھی۔ میں نے ہندو مذہب کو سمجھنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی کا سامنا ہوا۔ عیسائیت کی طرف متوجہ ہوئی مجھے تثلیث بیہودہ معلوم ہوئی۔ رجوع کیا۔ اس سلسلے میں میں نے عیسائی پادریوں سے رابطہ قائم کیا۔ تاہم مجھے کوئی ایسا مرد نہ ملا جس سے میں دور حاضر میں عیسائیت کی ایک مخلص اور صادق تصویر دیکھ سکوں گو بڑے بڑے دلائل و براہین پیش کئے جاتے تھے لیکن میں عیسائی گرجوں کی لاتعداد فرقہ بندیوں میں ذاتی اغراض اور شخصی مطلب کے سوا اور کچھ نہ دیکھ سکی اور بالکل ناامید ہو کر دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لیا کیونکہ ویدوں کا فلسفہ ایک ایسے دماغ کے لئے جو مذہب کی کمزوریوں سے مضطرب اور متنفر ہو چکا

ہو۔ ایک کافی و شافی سہارا تھا۔ لیکن ویدوں کی فلاسفی بھلا ہندوؤں کے لئے کیسے مفید ہو سکتی ہے کیونکہ جہاں تک عملی زندگی اور حقائق کا تعلق ہے، ہندو منوجی مہاراج کے زمانے سے لے کر آج تک ویدانت سے اتنے ہی دور ہیں جتنا کہ اس فرضی مخلوق سے جس کا چاند میں ہونا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ ویدوں کی پیروی کے لئے ایک ہندو پر لازم ہے کہ یا تو وہ موجودہ ہندو مذہب سے کنارہ کش ہو جائے یا تمدنی مصلح بن کر ان بے شمار فرقوں میں ایک اور فرقہ کا اضافہ کرے جس کے اندر زمانہ حال میں ہندوستان ڈوبا جا رہا ہے۔ ہندوؤں کی حالت قابل رحم ہے۔ بڑی خامیاں اور نقائص روزافزوں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان پر دوسرے مذاہب کے پیرو تبصرہ نہیں کرتے بلکہ ہندو خود ان کو آشکارا کرتے رہتے ہیں۔ گاندھی مہاراج ہریجنوں کے لئے اپنی زندگی کو مہلک خطروں میں کیوں ڈالتے ہیں؟ مجلس قوانین کے ذریعہ بیوگان کی شادی کو جائز کیوں قرار دیا گیا ہے؟ سلطنت برطانیہ کے ایک قانون کے تحت رسم ستی کو کیوں روکا گیا؟ تمام تمدنی اصلاحات کو مجالس قوانین ساز کے ذریعہ کیوں دائرہ عمل میں لایا جاتا ہے؟ اس مذہب کا فائدہ ہی کیا جو دماغی نشوونما اور تمدنی اصلاحات کو دوسری تمام برائیوں سے محفوظ رکھنے سے عاجز ہے؟

مندرجہ بالا حقائق سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے سچے مذہب اسلام کو قبول کرنے میں کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ اسلام کے علاوہ اور کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں جس کے عقائد کو اس کے پیرو ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ آخر کار میں نے صداقت کو پالیا۔ میں بہت ہی خوش ہوں اور میری روح مطمئن ہے کیا ہم آج کسی ایسی مذہبی یا تمدنی اصلاح کے درپے ہیں، جس کی تائید قرآن پاک سے نہیں ہو سکتی؟ کیا ہمارے آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ تمام روحانی رہنماؤں میں ایک ایسی شخصیت نہیں جنہوں نے آزادی، اخوت و مساوات ایسے زریں اعمال بتائے ہیں جن کے ذریعے ہم صراط مستقیم پر چل کر نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ صرف اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو روزمرہ کی زندگی میں ہمارا سچا رہنما ہو سکتا ہے کیا دنیا میں سوائے اسلام کے ایسا کوئی مذہب ہے جس میں خدا کا نام عالمی زبان میں ہو؟ اللہ کا لفظ تمام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ چینی ہوں یا ہندی یکساں ہے۔ السلام علیکم تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی ہونے کا سبق دیتا ہے خواہ کسی قومیت اور کسی ملک کے ہوں اور ان کی کوئی زبان ہو۔

کیا دنیا میں کسی مذہب کی الہامی کتاب اپنی فراخدلی اور فیاضی پر ناز کر سکتی ہے سوائے ہمارے

قرآن کریم کے جس میں ہر ایک مسلمان کو کہا گیا ہے کہ ان کے لئے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے؟

صرف اسلام ہی انصاف و انسانیت اور آزادی کا مذہب ہے جس کی مثال اور کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسلامی اصولوں کے تحت جائیداد پر قابض ہونے کے لئے کونسل و قانون کے دروازے کھٹکھٹانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ تمام قوانین اب سے 1300 سو سال قبل ہم مسلمانوں کے لئے اتارے گئے تھے۔ آج کل مذاہب عالم جس مقصد کو اپنا نصب العین بنا کر اخلاقی اور تمدنی، معاشرتی فوائد کے لئے سرگرداں ہیں وہ تمام فوائد مسلمانوں کے لئے جس دن سے قرآن مجید نازل ہوا موجود ہیں۔

میرے لئے یہ بالکل ناممکن تھا کہ میں ایسے مذہب میں رہتی جو ہماری موجودہ اور روزمرہ کی زندگی سے کوسوں دور ہے۔ میں کس طرح ایک مخلص ہندو یا عیسائی ہو سکتی تھی جب کہ انسانی اصول اور تہذیب مجھے ان مذاہب کی تعلیمات کے بالکل مخالف کھڑا کرتے ہیں اگر کوئی مذہب ہمیں روزمرہ کی زندگی میں تسکین نہیں دے سکتا تو کیوں اسے مذہب کے نام سے موسوم کیا جائے۔ یقیناً" ایسے تمام مذاہب نامکمل ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی صداقت موجود تھی تو وہ بھی اب زمانہ سے مفقود ہوئی جاتی ہے۔ میں نے اس صورت حال کو محسوس کیا اور اس پر غور کیا تو میرے لئے اسلام قبول کرنا ضروری ہو گیا۔ کیونکہ میں نے اس میں تمام صداقتیں دیکھ لیں۔

اسلام میں وہ ہر ایک بات پائی جاتی ہے جس کے دوسرے تمام مذاہب کے پیرو متلاشی ہیں اسلام میں وہ سب کچھ موجود ہے جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں یقین واثق سے کہتی ہوں کہ کوئی دوسرا مذہب اصلاح اور خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا' سوائے اسلام کے جو خدا کی سچی محبت' انسانیت کی سچی الفت اور حقانیت پر مبنی ہے۔ اسلام کو کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے بنیادی اصول وحدانیت' حقانیت اور اخوت و مساوات بے حد معقول' موثر' مفید اور فطری ہیں۔

من کی دنیا اقبالؒ کی نظر میں

عبدالرشید ساہی

شعر نمبر1

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

علامہ اقبالؒ عقل کے بجائے عشق کے متبع ہیں وہ فرماتے ہیں سراغ زندگی منطقی بحثوں سے نہیں بلکہ مجاہدہ' مراقبہ اور مکاشفہ سے مل سکتا ہے۔ اقبال کے نظریہ کے مطابق زندگی کا حقیقی سراغ اپنے من میں ڈوبنے سے مل سکتا ہے اور دنیا میں اس کے دو طریقے ہیں جو اب تک دریافت ہوئے ہیں ایک طریقہ انسانی ہے اور دوسرا رحمانی' انسانی طریقہ کا نام ہندوستان میں یوگ اور یونان میں اشراق ہے۔ اقبال انسانی طریقہ پر رحمانی طریقہ کو ترجیح دیتے ہیں جسے عرف عام میں شریعت محمدی ﷺ کہتے ہیں رحمانی طریقہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی جسمانی ضرورت کا انتظام کیا ہے تو اس کی روحانی تسکین کا سامان بھی مہیا کیا ہو گا واضح ہو کہ من میں ڈوبنا بھی ایک مستقل فن ہے اور جس طرح دیگر فنون میں استاد کی ہدایت اور ذاتی مہارت کی ضرورت ہے اسی طرح من میں ڈوبنے کے لئے بھی مرشد کا وجود بہت قیمتی ہوتا ہے کیونکہ استاد کے بغیر آدمی ڈوب تو سکتا ہے لیکن ابھر نہیں سکتا اور جو شخص ابھر نہیں سکتا وہ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے ڈوب جاتا ہے آپ مصرع میں غور کریں ابھرنے کا تصور اس کے اندر موجود ہے اقبالؒ کہتے ہیں انسان اپنے من میں ڈوب کر زندگی کی حقیقت پا سکتا ہے لیکن پائے گا تو وہی جو ڈوب کر ابھر بھی سکے جو صرف ڈوب گیا اس کے ہاتھ کیا آئے گا ہاتھ تو کچھ اسی کے آتا ہے جو تہہ سے موتی حاصل کر کے ابھر بھی آتا ہے۔ پانی کے سمندر سے سیپ کا موتی نکالنا بہت مشکل کام ہے تو من کے سمندر سے حقیقت کا موتی نکالنا کیسے آسان ہو سکتا ہے یقیناً" اس کے لئے بڑے مجاہدہ کی ضرورت ہے جبھی تو اقبال کو یہ کہنا پڑا۔

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلۂ مردِ ہیچ کارہ نہیں

شیر کو قابو میں لانا آسان ہے لیکن "من" پر فتح پانا مشکل ہے وہ اصل میں بڑا چنچل ہوتا ہے اور چنچل شے بڑی مشکل سے قابو میں آتی ہے۔

عرفِ عام میں خودی میں ڈوب کر ابھرنے کو "طریقت" کہتے ہیں یعنی ابھرنے کا طریقہ جو کہ یہ طریقہ مرشد کے بغیر نہیں آسکتا کیونکہ صحبت شیخ اختیار کرنے سے ہی انسان میں حوصلہ اور طاقت پیدا ہوتی ہے اقبالؒ کے فلسفہ یا پیغام کے عناصر ترکیب حسب ذیل ہیں۔ نمبر1 اللہ موجود ہے جو اس کائنات کا خالق ہے نمبر2 انسان موجود ہے جو اس کا نائب ہے اور انسان کا فرض منصبی یا مقصد حیات یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو۔ اقبال کی رائے میں دینِ اسلام صرف پوجا پاٹ کا نام نہیں ہے بلکہ اپنی خودی سے واقف ہونے کا طریقہ ہے تاکہ انسان نیابت الٰہیہ کے مرتبے پر فائز ہو سکے۔ اقبالؒ کی ٹریجڈی یہ ہے کہ وہ تیس سال تک ان پانچ باتوں کو اس قوم کے سامنے پیش کرتے رہے جو ان کی وفات کے بعد بھی سوتی رہی اور "صور فرنگ" کی بدولت جاگی تو اس وقت سے اپنی پوری طاقت کے ساتھ رشوت ستانی' ذخیرہ اندوزی' بلیک مارکیٹ' ضمیر فروشی' اقربا نوازی' خویش پروری' الحاد دوستی اور کفر پسندی کی طرف دوڑی چلی جارہی ہے۔ غالب کو سنیں۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اسی صداقت کو اکبر الہ آبادی نے یوں بیان کیا ہے

انکشافِ رازِ ہستی، عقل کی حد میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

شعر نمبر2

من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں جو شخص من کی دنیا میں رہتا ہے وہ محبت الٰہی میں سرشار ہوتا ہے اس

لئے وہ اللہ کی تمام مخلوقات پر مہربان ہوتا ہے اور اپنی زندگی خدمت خلق میں بسر کرتا ہے یعنی دوسروں کے لئے جیتا ہے اور جو شخص تن کی دنیا میں رہتا ہے وہ ہر وقت دولت جمع کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور اسی لئے اپنی زندگی مکاری اور عیاری میں بسر کرتا ہے یعنی صرف اپنے لئے جیتا ہے۔
من کی دنیا اختیار کرنے والا انسان اپنی زندگی کو خدائی احکامات کے تحت گزارتا ہے اور قرآن مجید کو اپنا امام بنا کر زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے من کو دنیاوی آلودگی سے بچائے رکھتا ہے لیکن اس کے برعکس تن کی دنیا بسر کرنے والا انسان ظاہری عبادات میں بڑا منہمک ہوتا ہے۔ مدرسے چلاتا اور مساجد بنواتا ہے نماز کی ادائیگی اور حج و زکوۃ کو خوب ادا کرتا ہے صدقہ خیرات میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا مگر خدائی احکامات سے ہر وقت بغاوت کرتا اور اللہ کی حدود کو ہر لمحہ پھلانگتا رہتا ہے۔ مخلوق خدا کو دھوکہ دینا اور اس پر ہر طرح کا ظلم روا رکھنا اس کے نزدیک گناہ شمار نہیں ہوتا۔ وہ کیسی نماز ہے کہ جسے انسان ادا کرنے کے باوجود رشوت بھی لیتا رہے اور باوجود الحاج ہونے کے وعدہ کا سچا اور قول کا پکا نہ ہو اور تول اور ناپ میں احتیاط نہ رکھتا ہو تمام عبادات کا ماحاصل تو یہ ہے کہ انسان کا کردار سنور جائے اور اس دنیا میں بھی محسوس ہو کہ یہ انسان عابد اور زاہد ہے۔

شعر نمبر3

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں من کی دولت باقی ہے اور اس میں صفت دوام پائی جاتی ہے اور تن کی دولت کو قرار نہیں آج زید کے پاس ہے کل بکر کے پاس لہٰذا انتہائی بد نصیب ہے وہ شخص جو باقی کو چھوڑ کر فانی کے لئے سرگرداں رہتا ہے جب کوئی شخص گناہوں کو ترک کرنے کے بعد اللہ سے تعلق قائم کرلیتا ہے تو یہ تعلق ایک نوری شعاع کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بندے کی دعائیں اللہ تک اور وہاں سے ہدایت و قبولیت بندے تک پہنچاتا ہے۔ تن کی دولت والے انسانوں کے دل ہوا و ہوس سے مکدر ہوتے ہیں اور دوسری طرف من کی دولت والے لوگ ہوتے ہیں جو صاحب علم و نظر ہوتے ہیں اور ایک جہان ان سے فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے۔
ایک انگریز مفکر ڈاکٹر کانن لکھتا ہے "من کی دولت حاصل ہو جانے پر انسان ایسے افق پر جا پہنچتا ہے جہاں اللہ سے شرف کلام حاصل ہوتا ہے اور انسان کو علیم و خبیر رب کے رازوں سے

آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

دل کی آزادی شہنشاہی' شکم سامان موت
فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم

اہل دل لوگ حقیقت میں بادشاہ ہوتے ہیں دنیاوی رنج والم سے بے نیاز ہوتے ہیں اثیر کی مخفی طاقتیں ان کی مددگار ہوتی ہیں ان کی شخصیت دلکش ہو جاتی ہے انہیں امراض و آلام سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے انہیں حقیقی معنوں میں سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے ان کی روح بلند ہوتے ہوتے حدود لاہوت تک پہنچ جاتی ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان

شعر نمبر4

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں من کی دنیا میں محبت کی حکومت ہوتی ہے فرنگی اس پر اقتدار حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس دنیا میں شیخ و برہمن کا راج پایا جاتا ہے کیونکہ جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ تمام مخلوقات کا خیر خواہ ہوتا ہے اس کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لئے وہ دونوں پر مہربانی کرتا ہے۔ جس انسان کو من کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اس پر اللہ کا رنگ غالب آ جاتا ہے اسی وجہ سے اس پر غیر اللہ کے رنگ اثر انداز نہیں ہو سکتے جو انسان بازار مصطفیٰ ﷺ میں بک جاتا ہے وہ حقیقی معنوں میں انمول بن جاتا ہے۔

بقول شاعر

جب تک بکے نہ تھے تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

دنیا میں انسان کے لئے صرف دو رستے ہیں ایک خیر کا اور دوسرا شر کا

شر! اللہ کے خلاف بغاوت اور شیطان کی غلامی ہے اور خیر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور ہر اشارے کی تکمیل۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں ان کے لئے نہ ہی اس

دنیا میں کوئی غم ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اگلی زندگی میں مغموم ہونگے باوجود ہزار غموں کے وہ ہر حال میں خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے رب کی رضا پر راضی رہتے ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے

شعر نمبر5

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

اس شعر میں علامہ اقبالؒ نے توحید کی حقیقت کو شاعری کے لباس میں پیش کر دیا ہے یعنی توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان، اللہ کے علاوہ اور کسی ہستی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے۔ جو شخص غیر کی اطاعت کرتا ہے وہ روحانی اور جسمانی دونوں پہلوؤں سے اس کا غلام بن جاتا ہے اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ غلام کو نہ اپنے ضمیر پر اختیار ہوتا ہے اور نہ جسم پر بالفاظ دیگر آسمان کے نیچے شرک سے بڑھ کر کوئی لعنت نہیں ہے دراصل مشرک درجہ انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے اس کی روحانی ترقی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ اندھے اور بینائی والے برابر نہیں ہو سکتے بینائی والے محرم راز ہوتے ہیں خدائی بصیرت سے آگاہ ہوتے ہیں اور اندھے خدائی رازوں سے نابلد ہوتے ہیں اور بے راہ ہوتے ہیں۔

زندہ قوت تھی زمانے میں یہی توحید کبھی

جو انسان اللہ کو رب مان کر پھر اس پر ڈٹ جاتے ہیں اس کے بعد تمام خدائی قوتیں ان انسانوں کے ہمرکاب ہوا کرتی ہیں اور دنیوی و اخروی زندگی کی تمام کامیابیاں اور کامرانیاں ان کے قدم چومتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؓ

(معز جعفراے قدوس و قائم)

علم باطن میں آپ کا انتساب اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ سے ہے۔ نیز دوسری نسبت اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؓ سے اور ان کا انتساب اپنے والد بزرگوار حضرت امام زین العابدینؓ سے ان کو اپنے والد حضرت امام حسینؓ سے اور ان کی نسبت اپنے والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے حضرت امام جعفر صادقؓ نے فرمایا۔

ولدنی ابوبکر مرتین

ابوبکرؓ سے میں دوبار پیدا ہوا۔ پہلی ولادت ظاہری کہ میرے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ ہیں۔ دوسری ولادت معنوی کہ علم باطن بھی میں نے اپنے نانا سے پایا ہے۔ آپ کی سچی گفتگو کی وجہ سے آپ کا لقب صادق تھا۔ جس طرح کہ آپ کے جد مادری کا لقب صدیقؓ تھا اور یہ لقب ان کو رحمۃ اللعالمین ﷺ نے عطا فرمایا تھا جو جبریل علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کے پاس رب جلیل سے لائے تھے حضرت امام جعفر صادقؓ سادات اہل بیت سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد ماجد اور اپنے نانا قاسم بن محمدؓ نافعؒ عطاؒ محمد بن منکدرؒ اور زہریؒ سے احادیث نقل کی ہیں اور ائمہ اسلام نے جیسے حضرت امام ابو حنیفہؒ یحییٰ بن سعید انصاریؓ ابن جریج اور حضرت امام مالکؒ اور محمد بن اسحاقؒ اور آپ کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن جعفرؒ اور سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عینیہؒ اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی آپ سے روایات کی ہیں۔

آپ کی امامت بزرگی اور سیادت پر جمہور کا اتفاق ہے۔ عمر بن المقدامؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضرت امام جعفر صادقؓ کو دیکھتا تھا تو حضور ﷺ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ آپ کے اخلاق حسنہ، اور ہمت ظاہری، اور اشارات لسانی، اور اسرار جلیلہ تمام علوم میں موجود ہیں اور کلام کی باریکی اور معنی کی بلندی میں مشائخ عظام میں آپ کی بڑی شہرت ہے۔ طریقہ صوفیہ میں آپکی کئی کتابیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ طبقہ مشائخ صوفیہ کا علم جو قرن اول، دوئم اور سوئم سے مختص ہے۔ وہ حضرت امام جعفر صارقؓ تک پہنچا ہے آپ کے بعد اس کو حاصل ہوا جس نے فقرا کی صحبت اختیار کی۔ آپ اپنے تمام اہل بیت ہم عصروں

میں سب سے زیادہ عالم و فائق تھے اور حضرت امام صاحب زاہد کامل اور بڑے متقی تھے۔ شہوت اور لذت سے پوری طرح بچنے والے تھے اور نہائت ہی باادب تھے۔ مدینہ منورہ میں ایک مدت تک اقامت گزیں رہے اور اپنے علوم ظاہری اور باطنی کا فیض اہل ارادت کو پہنچاتے رہے۔ پھر آپ عراق تشریف لائے اور ایک مدت تک مقیم رہے۔ آپ نے کبھی امامت کی خواہش نہ فرمائی اور نہ ہی کسی سے امر خلافت میں نزاع کی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص دریائے معرفت میں ڈوب جاتا ہے اس کو ایک جو برابر طمع نہیں ہوتی اور جو شخص حقیقت کے زینوں پر عروج کرتا ہے وہ مجاز کے گڑھوں کی کبھی بھی خواہش نہیں کرتا۔

حضرت امامؒ نے فرمایا

من عرف الله اعرض عن ماسواه

عارف اللہ تعالیٰ کے بغیر ہر شے سے علیحدگی اختیار کرلیتا ہے

آپ نے فرمایا **لا تصح العبادت الا بالتوبته فقدم التوبته علی العبادته**

عبادت بغیر توبہ کے درست نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **التائبون العابدون**

توبہ مقامات کی ابتدا ہے اور عبودیت درجات کی انتہا ہے۔ ایک بار آپ اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور ان کو کہہ رہے تھے کہ آؤ ہم سب آپس میں اس بات کا معاہدہ کریں کہ جو شخص ہم میں سے روز محشر نجات پاجائے وہ سب کی شفاعت کرے۔ انھوں نے کہا کہ اے ابن رسول اللہ آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت آپ کے جد امجد تمام مخلوقات کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ

میں اپنے اعمال و حالات کی وجہ سے شرم کرتا ہوں کہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے سامنے کیسے حاضر ہوں ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیں۔ فرمایا اے سفیان دروغ گو آدمی میں مروت نہیں ہوتی۔ اور حاسد کو راحت نصیب نہیں ہوتی۔ اور بد خلق انسان کبھی بزرگ نہیں ہو سکتا۔ اور بادشاہوں میں اخوت نہیں ہوتی۔ حضرت سفیان نے عرض کیا کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اے سفیان خدا تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچو کہ عابد بن سکو۔ اور خدا تعالیٰ نے جو قسمت میں رکھا ہے اس پر راضی رہو تاکہ مسلمان بن سکو۔ بدکار آدمی کی صحبت سے بچو ورنہ بدکاری تم پر غالب آجائے گی۔ اور اپنے کاموں میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح سے فرمانبرداری کرتے ہیں۔ حضرت سفیان نے عرض کیا کچھ اور ارشاد فرمائیے فرمایا اے سفیان جو شخص یہ

چاہیے کہ اس کی عزت بلا ذات و قبیلہ کے ہو اور ہیبت بلا حکومت ہو۔ اس کو چاہیے کہ گناہ چھوڑ دے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرے۔ فرمایا کہ جو شخص ہر آدمی کے ساتھ صحبت رکھتا ہو وہ سلامت نہیں رہتا اور جو شخص برے راستے پر چلتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا وہ پشیمانی اٹھاتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کو غمگین کر دے تو پانچ بار ربنا ربنا ربنا ربنا ربنا کہنا چاہیے حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو اس غم سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کچھ وہ مانگے اس کو ملے گا پھر آپ نے ان آیات مبارکہ کو پڑھا

ان فی خلق السموات ولارض سے فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم فرمایا یہ لوگ ہمیشہ ربنا ربنا کہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی دعا قبول ہو گئی

عقلمند

نقل ہے کہ ایک روز حضرت امامؒ نے امام ابی حنیفہؒ سے دریافت فرمایا کہ عقلمند کس کو کہتے ہیں؟ حضرت امامؒ نے جواب دیا جو خیر و شر میں تمیز کرے۔ حضرت امام جعفرؒ نے فرمایا کہ یہ تمیز تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے کہ مارنے والے اور چارہ دینے والے میں تمیز رکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے عرض کیا تو پھر آپ کے نزدیک عقلمند کون ہے؟ فرمایا عقلمند وہ ہے جو دو خیر اور دو شر میں امتیاز کرے۔ خیر میں اعلیٰ خیر کو اور شر میں کم شر کو اختیار کرے۔

دیدار الٰہی

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اللہ سبحان و تعالیٰ کا دیدار کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے نہیں سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی (تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا) کہا گیا تھا۔ اس نے کہا یہ امت محمدی ﷺ ہے۔ ایک کہتا ہے

رای قلبی ربی (میرے دل نے خدا کو دیکھا) اور دوسرا شخص نعرہ لگاتا ہے کہ لم اعبد ربا لم ارہ (میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا نہیں) حضرت امامؒ نے فرمایا کہ اس شخص کو باندھ کر دریائے دجلہ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پانی اس کو نیچے لے گیا پھر اوپر لے آیا اس نے فریاد کی یا ابن رسول اللہ الغیاث الغیاث اے فرزند رسول خدا فریاد ہے۔ فریاد ہے۔ آپ نے فرمایا اے پانی اسے پھر نیچے لے جا۔ پانی اس کو نیچے لے گیا اور دوبارہ پھر اوپر لے آیا اس نے پھر اسی طرح مدد مانگی۔ آپ نے پانی سے فرمایا کہ اس کو بار بار نیچے اوپر کر۔ پانی اسے نیچے لے جاتا جب اوپر آتا وہ اسی طرح آپ سے مدد طلب کرتا جب اس کی امید مخلوق سے ختم ہو گئی تو پھر اس نے کہا (الٰہی الغیاث الغیاث) اے میرے اللہ

میری مدد کر. میری مدد کر. حضرت امامؒ نے فرمایا کہ اب اس کو نکال لو۔ چنانچہ اس کو نکالا گیا کچھ دیر اس
اسی طرح رہنے دیا تاکہ اس کو سکون و اطمینان آجائے۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ و تعالیٰ
دیکھا ہے اس نے عرض کیا کہ جب تک میں غیر کی طرف متوجہ رہا اس وقت تک مجھ میں اور خدا تعالیٰ کی
ذات اقدس کے درمیان پردہ تھا مگر جب مخلوق سے بالکل مایوس ہو کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور
اس سے مدد مانگی تو اسی وقت میرے دل میں ایک روشنی پیدا ہوئی جس سے حق سبحانہ و تعالیٰ نے مجھ پر اپنا
خاص کرم فرمایا اور مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک اضطرار نہ ہو یہ بات
حاصل نہیں ہوتی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

امن یجیب المضطر اذادعاہ

اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا (فریاد) قبول فرماتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے۔ جب تک تو صادق کو پکارتا رہا
کاذب تھا اب ہر لمحہ اللہ و تعالیٰ کی طرف متوجہ رہ

کرامت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے ساتھ میں مکہ شریف گیا راستے
میں ایک عورت کے پاس سے گذرے جس کے سامنے ایک مردہ گائے پڑی ہوئی تھی اور وہ عورت اپنے
بچوں کے ساتھ بیٹھی رو رہی تھی۔ حضرت امامؒ نے اس کی حقیقت حال دریافت فرمائی۔ عورت نے کہا
کہ میں اور میرے بچے اس گائے کا دودھ پی کر زندگی بسر کرتے تھے اب اس گائے کے مرجانے کی وجہ سے
ہم بہت پریشان ہیں۔ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ تو کیا چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری گائے کو زندہ کر دے۔
اس نے کہا کہ آپ میری اس مصیبت کے وقت مذاق کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مذاق نہیں۔ پھر
آپ نے دعا فرمائی اور اپنے پاؤں سے اس مردہ گائے کو ٹھوکر ماری۔ اللہ تعالیٰ نے اس گائے کو دوبارہ زندہ
کر دیا۔ حضرت امامؒ فوراً عام لوگوں میں چلنے لگے تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔ حضرت امامؒ کی ولادت
مدینہ منورہ میں ۸۰ھ میں ہوئی اور مدینہ منورہ ہی میں اڑسٹھ سال کی عمر میں شوال المکرم 148ھ میں
وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

(میجر ڈاکٹر محمد اشفاق راجہ)

ایک اللہ والے کو بادشاہ وقت نے ڈرایا کہ ہم تجھے سخت ترین سزا دیں گے۔ اس نے کہا کہ اگر تم مجھے جیل میں ڈال دو گے تو یہ میرا اعتکاف ہو گا اگر تم مجھے ملک سے دیس نکالا دے دو گے تو میری ہجرت ہو گی۔ میرے حبیب رسول کریم ﷺ کی سنت پر عمل ہو جائے گا اور اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو میری زندگی اس شہادت کی آرزو میں گزر رہی ہے۔ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ کیونکہ اس راہ میں بڑی سے بڑی سزا بھی میرا عین مقصود و مطلوب ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ والے بہت بے نیاز ہوتے ہیں کوئی بڑی سے بڑی تکلیف ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ وہ ہر مشقت جھیلتے ہوئے اپنے پروردگار کے قریب بلکہ قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور اگر انہیں شہادت نصیب ہو جائے تو پھر یہ نعرہ مستانہ بلند کرتے ہیں۔

کیونکہ مومن کا مقصود قرآنی الفاظ میں یوں ہے۔

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین O لا شریک له وبذلک امرت وانا اول المسلمین O

"اے نبی ﷺ کہو میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے"۔ اس یکسوئی میں کسی اور کی ملاوٹ نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا اطاعت گزار ہوں۔

نگاہوں میں منزل کوئی پھر رہی ہے
یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں

تصور اسم اللہ ذات اور مرشد کامل

نجیب الرحمٰن

"تصور اسم ذات" ہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر پاکیزہ لوگ انعام یافتہ کہلائے۔ کیونکہ تصور اسم ذات ہی سے انسان کا سینہ اسلام کی روشنی سے صحیح طور پر منور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جس نے ذکر اللہ اور تصور اسم ذات سے روگردانی کی وہ نفس امارہ اور شیطان کے پھندوں میں پھنس گیا اور آخر کار گمراہ ہوا۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔ واضح رہے کہ تصور اسم اللہ ذات کی مشق سے دنیا و آخرت کی زندگی میں نجات اور حضور ﷺ کی مجلس کی دائمی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ تصور اسم اللہ ذات کرنے والے کا وجود ظاہر و باطن میں نص و حدیث کے موافق ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان اللہ کی تلوار بن جاتی ہے۔ اور وہ المفلس فی امان اللہ کے مصداق اللہ تعالیٰ کی امان میں ہوتا ہے۔ تصور اسم اللہ ذات کرنے والا ذاکر اللہ تعالیٰ کا خزانہ اور اس کا بھید ہوتا ہے کیونکہ وہ شرک، کفر، بدعت اور حرص و ہوا سے فارغ ہوتا ہے اس کی آنکھ حق بین ہوتی ہے۔ وہ اہل دنیا باطل و بے دین سے بیزار ہوتا ہے۔ اس کا سینہ علم معرفت و توحید سے پر ہوتا ہے۔ وہ بے ریا و بے تقلید ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھ سخی ہوتا ہے۔ اس کا قدم شریعت کی سیدھی راہ پر ہوتا ہے۔ وہ امر معروف پر کمربستہ رہتا ہے۔ اور نفس سے جہاد کرتا ہے۔ اس کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ اس کے وجود میں تصور اسم اللہ ذات ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ دیکھتا ہے حضور قلب سے دیکھتا ہے اس کے تمام اعضاء تصور اسم اللہ ذات میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسم اللہ ذات میں نور ہی نور ہے۔ اس کا وجود مغفور ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے نفس پر غالب اور قلندر صفت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کا نفس اس کا فرمانبردار ہو جائے۔ خواہ وہ مجرب و مرغن کھانے کھائے اور زرین و اطلس کا لباس پہنے لیکن اس کے باوجود محفوظ رہے اور شیطان سے بچا رہے۔ خناس خرطوم، وسوسہ، واہمات و خطرات اس سے بالکل نیست و نابود ہو جائیں تو اسے چاہئے کہ اپنے دل میں تصور اسم اللہ ذات کی مشق کرے۔ ایسا کرنے سے بے شک اس کا دل غنی ہو جائے گا اور اسے دائمی طور پر حضور ﷺ کی مجلس کی حضوری حاصل ہو جائے گی۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ نمبر73)

جب اس طرح قالب، روح اور سر ایک ہو جاتے ہیں۔ تو وجود میں سے بری خصلتیں نکل جاتی ہیں۔ ظاہری حواس خمسہ بند ہو جاتے ہیں اور باطنی حواس کھل جاتے ہیں۔ بعد ازاں " و

نفخت فیہ من روحی " (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ پہلے پہلے جب آدم علیہ السلام کے وجود میں روح داخل ہوئی اور داخل ہوتے ہی اس نے "اللہ تعالیٰ" کا نام لیا تو بندہ اور پروردگار کے درمیان کوئی پردہ نہ رہا۔ اگر قیامت تک بھی کوئی پردہ رہے تو اسم اللہ ذات کی کنہ کو نہیں پہنچ سکے گا۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ نمبر108)

تصور اسم اللہ ذات کے بغیر دل سے خطرات، خناس اور شیطان دفع نہیں ہوتے خواہ ساری عمر ہی عربی کا معلم بنا رہے۔ اور فقہ کے مسائل پڑھتا رہے۔ خواہ ساری عمر عبادت و وظائف میں صرف کر دے۔ خواہ کثرت ریاضت سے اس کی پیٹھ کبڑی ہو جائے۔ اور وجود بال کی طرح باریک ہو جائے لیکن دل اسی طرح تاریک رہتا ہے۔ کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ خواہ اپنا سر ریاضت کے پتھر سے ٹکراتا رہے۔

تصور اسم اللہ ذات کی مشق کرنے والا معشوق بے مشقت اور محبوب بے محنت ہوتا ہے۔ اسے عمدہ مراتب نصیب ہوتے ہیں اور وہ روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ وہ تمام دلوں کا پیارا ہو جاتا ہے۔ اسم اللہ ذات کے تصور اور تصرف سے طالب اللہ مخلوق خدا کے لئے فیض بخش ہوتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں صفحہ نمبر109)

لیکن اس راہ پر چلنے کیلئے مرشد کامل اکمل کی رہنمائی اور راہبری بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ "اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی طرف وسیلہ پکڑو" وسیلہ سے مراد شیخ کامل ہے۔ مزید فرمان الٰہی ہے۔ "اے ایمان والو! تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اختیار کرو اور سچے لوگوں کی سنگت اختیار کرو۔ (پ11 التوبہ 119)

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب و وصال کی راہ چونکہ شریعت کے دروازے سے ہو کر گزرتی ہے اس لئے اس دروازے کے دونوں طرف شیطان اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت طالب اللہ کی گھات لگا کر بیٹھتا ہے۔ اول تو وہ کسی آدم زادے کو شریعت کے دروازے تک آنے ہی نہیں دیتا اور اگر کوئی باہمت آدمی شریعت کے دروازے تک پہنچ بھی جاتا ہے تو شیطانی گروہ اسے شریعت کی چوکھٹ پر ہی روک رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اسے شریعت کی ظاہری زیب و زینت کے نظارے میں محو رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت کی روح تک کسی کو نہیں پہنچنے دیتا۔ اگر کوئی خوش قسمت طالب اللہ ہمت کرکے آگے بڑھتا ہے تو شیطان پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اسے روکنے یا گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی راہ مارنے کا ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔

طالب اللہ جب شریعت کے دروازے سے گزر کر باطن کی نگری میں داخل ہوتا ہے تو اسے رجوعات کے نہایت ہی وسیع و دشوار گزار جنگل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر طالب اللہ کو اگر کسی مرشد کامل مکمل کی رفاقت اور راہبری حاصل نہ ہو تو وہ رجوعات خلق کے اس جنگل میں راستے سے بھٹک کر ہلاک ہو جوتا ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہوؒ اپنی ایک نادر کتاب مجالسۃ النبی ﷺ میں فرماتے ہیں کہ۔

جان لے کہ ابلیس علیہ لعنت جب دیکھتا ہے کہ طالب اللہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے والا ہے اور مقام طریقت سے گزر کر مقام حقیقت و مقام معرفت پر پہنچنے والا ہے تو ان مقامات کے درمیان تمام شیاطین کو اکٹھا کر کے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، بہشت و دوزخ، اور حور و قصور شیطانی استدراج سے بنا کر طالب اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور خود تخت زریں پر بیٹھ کر خدائی کا فرعونی دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ "اے طالب! تو نے میری جو عبادت کی ہے اسے میں نے قبول کر لیا ہے۔" اور پھر اپنے پیشاب سے ایک پیالہ بھر کر اسے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ شرابا" طہور کا پیالہ ہے اسے پی لے۔ اگر طالب یہ پیالہ پی لے تو اس کے وجود میں شیطانی آگ بھر جاتی ہے۔ اور شیطان اس سے کہتا ہے کہ فرض، سنت، واجب مستحب اور ہر قسم کی ظاہری عبادات تم پر معاف ہیں۔ تیرے لئے میرا دیدار ہی کافی ہے اور تو میرا نور ہے اور میں تیرا نور ہوں۔ جو جی میں آئے کرو۔ جو چاہو کھاؤ۔ جو چاہو پیو۔ قلندر اہل بدعت بن جاؤ اور گانے بجانے سے سرور حاصل کرو" اس موقع پر طالب اللہ کو اگر مرشد کامل کی مکمل رفاقت حاصل ہو تو وہ اسے شیطانی استدراج سے خبردار کر کے کہے گا کہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔" پڑھ لے۔ اس کے پڑھتے ہی شیطانی استدراج ختم ہو کر غائب ہو جائے گا اور طالب اللہ گمراہی کی ذلت سے بچ جائے گا۔

جس طرح شریعت کا علم و ادب استاد کے بغیر ہاتھ نہیں آتا اسی طرح باطنی علم کا حصول مرشد کامل مکمل کی رفاقت کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ مرشد کی تلقین ہی ایسا کیمیا ہے جو طالب کے وجود کی کثافت دور کر کے اسے روشن ضمیری کے قابل بناتی ہے۔ تلقین کیا ہے اور تعلیم کیا ہے؟

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔ "جان لے کہ تعلیم سے ظاہری علم واضح ہوتا ہے جبکہ تلقین سے ہر دو جہان کی روشن ضمیری حاصل ہوتی ہے۔" (قرب دیدار 32)

آپ مزید فرماتے ہیں۔ مرشد کامل مکمل باطن کی ہر منزل اور ہر راہ کا واقف ہوتا ہے۔ باطن

کی ہی مشکل کا مشکل کشا ہوتا ہے۔ مرشد کامل توفیق الٰہی کا نام ہے جب تک توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو کوئی کام سرانجام نہیں پاتا۔ مرشد کامل کے بغیر اگر تو تمام عمر بھی اپنا سر ریاضت کے پتھر سے ٹکراتا رہے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ بے مرشد بے پیر کوئی شخص خدا تک نہیں پہنچ سکا۔ مرشد کامل مکمل جہاز کے دیدہ جان معلم کی مانند ہوتا ہے۔ جو جہاز رانی کا ہر علم جانتا ہے اور ہر قسم کے طوفان و بلا سے جہاز کو نکال کر غرق ہونے سے بچالیتا ہے۔ مرشد خود جہاز خود جہاز راں ہوتا ہے۔(عین الفقر)

اسی کتاب سے فرماتے ہیں:۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ صاحب راز (مرشد کامل اکمل) کے سینے میں ہے۔ کیونکہ قدرت توحید و دریائے وحدت الٰہی مومن کے دل میں سمائی ہوئی ہے۔ اس لئے جو شخص حق حاصل کرنا چاہتا ہے اور واصل باللہ ہونا چاہتا ہے۔ اسے چاہئے کہ سب سے پہلے مرشد کامل و مکمل کی طلب کرے کہ مرشد کامل مکمل دل کے خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے دل کا محرم ہو جاتا ہے وہ دیدار الٰہی کی نعمت سے محروم نہیں رہتا۔"

عین الفقر ہی میں آپ مزید فرماتے ہیں۔ "مرشد کامل کسے کہتے ہیں؟ مرشد کامل کے کیا اوصاف ہیں؟ وہ کس طرح طالب اللہ کو دریائے وحدت میں غرق کرتا ہے؟ کس طرح حضور ﷺ کی مجلس میں پہنچاتا ہے؟ اور مرشد سے طالب اللہ کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ یاد رہے کہ مرشد فنا فی اللہ بقا باللہ صاحب تصرف ہوتا ہے وہ "یحیی و یمیت" ہوتا ہے (مردہ دل کو زندہ کرنے والا اور زندہ نفس کو مارنے والا ہوتا ہے) اس کی نظر توجہ سے طالب اللہ میں بری خصلتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ نیک خصائل ہو جاتا ہے۔ مرشد کامل خلق محمد ﷺ کا حامل ہوتا ہے۔ راہ ربانی کا رہنما ہوتا ہے اور طالبوں کے لئے ہر منزل و ہر مقام میں قفل کی چابی کی طرح مشکل کشا ہوتا ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں۔ انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ اس طرح پوشیدہ ہے جس طرح پستہ کے اندر مغز چھپا ہوتا ہے۔ مرشد کامل طالب اللہ کو حضور حق تعالیٰ میں پہنچا کر مشرف دیدار کر دیتا ہے۔ کیا عالم حیات اور کیا عالم ممات کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوتا۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار تین طریق پر موافق نص و حدیث روا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں روا ہے اسے نوری خواب کہتے ہیں۔ دوم اللہ تعالیٰ کا دیدار مراقبے میں جائز ہے۔ وہ مراقبہ جو موت کی طرح حضور مولا میں پہنچا دے۔ سوم کھلی آنکھوں میں عین عیان اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا روا ہے کہ دیکھنے والے کا جسم اس جہان میں اور جان لاہوت لامکاں میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے یہ تمام عظیم مراتب مرشد کامل سے حاصل ہوتے ہیں۔ (نور الہدیٰ صفحہ نمبر 38-39)

مرشد بننا بہت بھاری اور مشکل کام ہے۔ جب تک کسی فقیر کو باطن میں حضرت محمد رسول اللہ کی طرف سے طالبوں و مریدوں کو تعلیم و تلقین کرنے کی رخصت و اجازت نہ ملے، وہ احمق ہے کہ خود بغیر حکم و اجازت کے تلقین وارشاد کرتا ہے۔ اور آخر کار شرمندہ و خراب ہوتا ہے۔ نگاہ مرشد سراسر توفیق خدا ہے جو کہ طالب اللہ کے وجود سے نفسانی و شیطانی حجابات و ظلمت دور کر دیتی ہے۔ (نورالہدیٰ صفحہ نمبر 126-125)

معرفت وصال کا یہ انتہائی مرتبہ ہے کہ جس وقت بھی طالب اللہ چاہے دیدار الٰہی سے مشرف ہو اور جب کبھی ارادہ کرے مجلس حضرت محمد رسول اللہ میں شرف باریابی حاصل کرے۔ یہ مرتبہ تب حاصل ہوتا ہے جب مرشد کامل طالب اللہ کو پہلے ہی روز تصور اسم اللہ ذات کی حاضرات کا وہ انتہائی راستہ دکھا دیتا ہے جس میں تمام خزانے کھل جاتے ہیں۔ یہ علم کل مرشد کے ذریعے صرف طالبان صادق کو کسی نبی یا کسی ولی سے اس طرح بے واسطہ حاصل ہوتا ہے جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ علم کسی طور پر رسم و رسوم سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ خاص اللہ حی القیوم کا علم لدنی عارفوں میں سینہ بہ سینہ توجہ بہ توجہ، تصور بہ تصور، تفکر بہ تفکر اور تصرف بہ تصرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (نورالہدیٰ صفحہ نمبر 52)

مرشد کامل مکمل طالب اللہ کو تعلیم، توجہ اور تلقین کے ذریعے عین العیان کے مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے اور نور الٰہی میں غرق کر کے امان الٰہی میں پہنچا دیتا ہے۔ یہاں تک کہا کہ اسے ذکر فکر ورد وظائف اور الہام وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی اس کو مطلق توحید اور جامع الجمعیت کل کہتے ہیں یہ مراتب قادری فقیر کے ہیں (توفیق الہدایت)

مرشد کامل خوشخط اسم اللہ ذات لکھ کر طالب کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے اور اسے کہتا ہے اے طالب اسم اللہ ذات دل پر لکھ اور اس کا نقش جب طالب اسم اللہ ذات دل پر تصور سے لکھ لیتا ہے۔ اور اس کا نقش قائم ہو جاتا ہے۔ تو مرشد طالب کو توجہ دے کر کہتا ہے اے طالب! اسم اللہ کو اب دیکھ چنانچہ اسی وقت اسم اللہ ذات آفتاب کی طرح تجلی انوار سے روشن اور تاباں ہو جاتا ہے (نورالہدیٰ)

مرشد کامل اکمل مکمل طالب اللہ کو اتباع رسول اللہ ﷺ میں شریعت کا پابند کر کے اسم اللہ ذات کے ذکر اور تصور میں لگاتا ہے اور طالب اللہ کو اسے اس کے مقصد حیات تک پہنچا دیتا ہے۔ آج تک کوئی مرشد کے بغیر اللہ کا قرب نہیں حاصل کر سکا۔

آداب دعوت دین

الحاج محمد حسین چھل

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرے دین کو اختیار کرنا چاہے گا۔ اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہوگا۔" اور فرمایا۔ "اور ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن عطا کیا۔ آپ اس خالی متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے۔" اہل کتاب کو خطاب کر کے کہا۔ "اے اہل کتاب تم کچھ نہیں ہو۔ جب تک تورات اور انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو۔ جو تمہارے رب نے نازل فرمائی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "خدا جس شخص کو خیر سے نوازنا چاہتا ہے۔ اسے اپنے دین کی صحیح سوجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔" جو کچھ دنیا کے سامنے پیش کریں اسے پہلے خود کر کے دکھائیں۔ جو لوگ اپنی اصلاح سے غافل دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسے ہے جیسے اس کے گھر میں آگ لگی ہو۔ اور وہ پانی کی بالٹی لے کر ڈھونڈتا پھرے کہ کسی کے گھر میں آگ لگی ہو۔ تاکہ اسے بجھائے۔

قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا۔ اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں اس آگ میں باہر نکل آئیں گی۔ یہ دیکھ کر دوسرے لوگ اس کے پاس جمع ہونگے اور پوچھیں گے۔ یہ تمہارا کیا حال ہے۔ کیا دنیا میں تم ہمیں نیکیوں کی تلقین نہیں کرتے تھے۔ اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے۔ ایسے نیکی کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں کیسے آگئے۔ وہ بولے گا۔ میں تمہیں تو نیکیوں کا سبق دیتا تھا۔ لیکن خود نیکیوں کے قریب نہ جاتا تھا۔ تمہیں تو برائیوں سے روکتا تھا۔ اور خود برائیوں پر عمل کرتا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں نے معراج کی شب کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا۔ کہ یہ آپ کی امت کے مقررین ہیں۔

جو لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اور خود کو بھولے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے ایک شخص نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دوں اور برائی سے روکوں۔ ابن عباس ؓ نے فرمایا۔ کیا تم قرآن کی ان آیات پر عمل کرتے ہو۔

1۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

2۔ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

3۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔ جن بری باتوں سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔ ان کو بڑھ کر میں خود کرنے لگوں۔ میری یہ خواہش نہیں۔ بلکہ میں تو ان سے بہت دور ہوں۔

اس شخص نے کہا۔ کہ نہیں۔ تو ابن عباس علیہ السلام نے فرمایا۔ پہلے اپنے آپ کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ پھر دوسروں کو تلقین کرو۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے ؟
- جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں ؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے ؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے ؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں ؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو۔انگلش)
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے

چراغ راہ
پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے

حقیقت وحدت الوجود
پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 نئی انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T'9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ
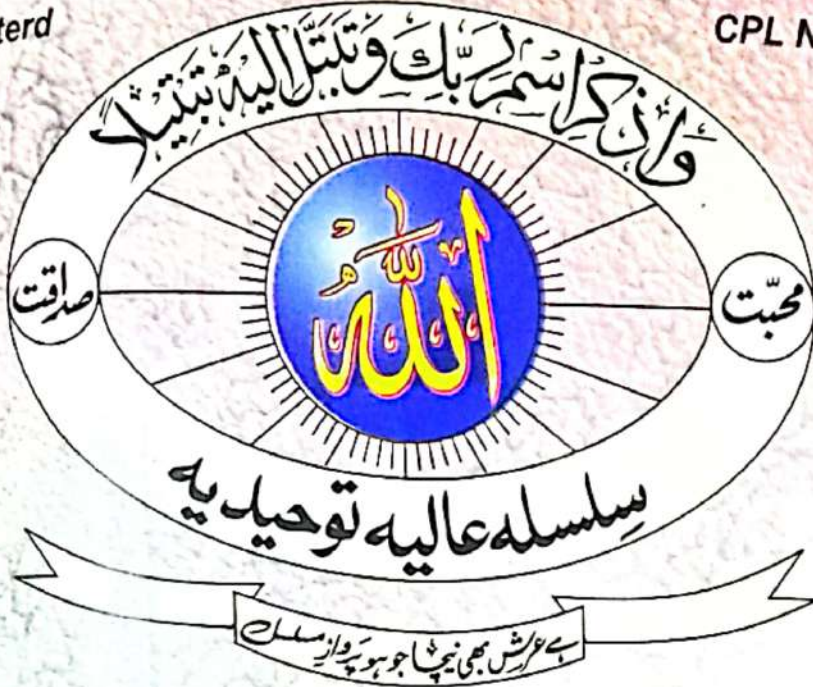
بانی سلسلہ کی تصانیف

"**حقیقت وحدت الوجود**" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تاکہ متلاشیان حق راہوں میں بھٹک کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔